

عمران سیریز نمبر 41

بے آواز سیارہ

دوسری حصہ

O

صدر کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ اس دوران میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔ اس لیے وہ کبڑے کوسارے شہر میں خلاش کرتا پھر رہا تھا۔ عمران کے متلقی بھی اسے کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ عمران کی نئی نئی شاید صدر اور جوزف ہی ایسے تھے جنہیں اب بھی یقین تھا کہ اس کی یادداشت واپس نہیں آسکی پر ان کی اس لا علی کی وجہ سینی تھی کہ عمران اپنی کی ایکیم کے تحت انہیں ”بے خبر“ ہی رکھنا چاہتا تھا۔ رحمان صاحب نے گمراہوں کو سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ عمران کی صحیح الدعائی کی ”خوشخبری“ کسی کو بھی نہ دیں..... وہ اب بھی ان کی کوئی تھی کے اسی کمرے میں مقید تھا۔ کیپٹن فیاض کو اب بھی بار تھا کے قاتل کی خلاش تھی..... اور وہ خوفناک چہرے والا اسے اکثر خواب میں بھی نظر آتا تھا جس سے ایک بار شہر کی ایک سنان سڑک پر مدد بھیز ہوتی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے ملکے کے ڈائریکٹر جزل پر کیا کچھ گذر پھیل ہے..... اور وہ تو اس کبڑے کے وجود سے بھی لا عالم تھا جسے ان دونوں منشل جیل کی ایک کوٹری میں رکھ کر زبان کھولنے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ پھر ان قیدیوں کے پارے میں وہ کیا جان سکتا جو ڈائریکٹر جزل کے ساتھ ایک بہت بڑا فرماذ کرنے والے تھے۔ ان قیدیوں کی تو کسی کو ہوا بھی نہیں لگ سکتی تھی اور وہ براہ راست چند مخصوص آفیسروں کے پرد کردیے گئے تھے۔

صدر آج بھی چنگٹی کے چاندھ خانے کے چکر کاٹ رہا تھا۔ اس موقع پر کہ شاید وہیں کبڑے سے ملاقات ہو جائے۔ اسے یقین تھا کہ ایک بار چنگٹی اور کبڑے کے درمیان

جو جھر پ ہوئی تھی۔ وہ سو فصدی لاکاری تھی۔ دونوں کے درمیان کسی قسم کا خاص تعلق ضرور موجود تھا۔ صدر نے اسے بھلی ایک معنوی گاہک کبھی نہیں سمجھا تھا۔ اور ادھر چند دنوں سے چبلی نظرت رکھنے والی چنگ شی پکھے بھجی بھجی کی دکھائی دے رہی تھی۔ صدر نے کمی پر افرادگی کی وجہ معلوم کرنی چاہی لیکن چنگ شی کا جواب صرف ایک مضمولی سکراہٹ ہوتی۔

آج صدر نے سوچا کہ وہ اس کیڑے کے متعلق ضرور پوچھے گا۔ چنگ شی نے اس طرح پہلیں جپہ کائی جسیں جیسے حافظے پر زور دینے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر بولی۔ ”اچھا دہ سوڑ... میں نہیں جانتی کہ وہ ادھر پکھے دنوں سے دکھائی کیوں نہیں دیا۔“ ”میں اس کے لیے متذکر ہوں۔“ صدر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”کیوں؟ ارے تم اس کے لیے متذکر ہو؟“ چنگ کا الجہ تھیرانہ تھا۔ ”ہاں! مجھے اس سے ہرروی ہے۔ اس رات والے جگڑے کے بعد سے ہم گھرے دوست بن گئے تھے۔ ارے چنگ سویٹ... وہ تو فلاسر ہے فلاسر... ڈاگریٹ آدمی ہے اور سنو۔ اچھا نہیں... مجھے اس کا نام دیتا تو۔“

”نام“ چنگ شی نہ پڑی۔ ”اس نے مجھے آج تک اپنا نام نہیں بتایا۔ کہتا ہے جو چاہے کہ لو... پاگل کتے کے نام سے بھی پاگل سکتی ہوا۔“ ”وہ خاموش ہو کر پھر نہیں اور بولی۔“ میں تو اسے ”خوبیک آف میکٹو“ کہتی ہوں۔

”خوبیک آف تارتے دیکھ پڑی ہے تم نے...؟“ ”اوہ سویٹ!“ وہ مٹھیاں بھیجی اور آنکھیں بھیج کر بولی۔ ”کمی بار... اوہ بہت جسیں... ہائے کیا چیز ہے... سنو! مجھے اس کے بھتیرے مکالے زبانی یاد ہیں۔“

”اُس نے مجھے اپنا نام ہمگ دی گریت بتایا تھا۔“ صدر نے شندی سافلی۔ چنگ اسے پر تقویٹی نظرتوں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”دیکھو! تم اس کے چکر میں نہ پڑنا مجھے تو وہ کوئی بہت پراسر اور خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ میں بھی نہیں بھج سکتی کہ وہ یہاں آتا ہی کیوں ہے جب کہ کسی قسم کے نئے کاشائق بھی نہیں ہے۔“

”واقعی!“ صدر کے لمحے میں سوالیہ استجواب تھا۔

”یقین کرو....“

”تب تو واقعی سوچنا پڑے گا۔“ صندوق جلدی سے بولا۔ ”چنگ کہیں وہ کوئی سرکاری آدمی تو نہیں ہے؟“

”ہوا کرے۔“ چنگ نے لارپ والی سے شانوں کو جبکش دی۔ ”میرا بزنس صاف ہے۔“

”بزنس کو چھوڑو۔ یہاں ہر طرح کے آدمی آتے ہوں گے۔“

”ہاں۔“ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”ممکن ہے۔ مگر مجھے کیا کسی کی پیشانی پر تو تحریر نہیں ہوتا کہ وہ کیسا آدمی ہے۔ یہاں خونی بھی آتے ہوں گے۔ مگر مجھے پر تو اس کی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔“

”ایسا حیرت انگیز آدمی آج تک میری نظر وہ سے نہیں گزرا۔۔۔!“

”کیوں کیا تم اس کے متعلق کچھ اور بھی جانتے ہو؟“

”مکاش کچھ اور بھی معلوم ہو سکا ہوتا۔۔۔“

”اوہ۔ تم تو اسکی باتیں کر رہے ہو جیسے واقعی اس کے متعلق بہت کچھ معلوم کر چکے ہو۔“

”نہیں ابھی تک کچھ نہیں معلوم کر سکا لیکن معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیوں؟“

”میں اچھا آدمی نہیں ہوں اس لیے مجھے الجھن ہو جاتی ہے اگر کوئی خواہ تجوہ میری طرف متوجہ ہوتا ہے۔“

”تو کیا بس سے پہلے اس نے ہی تم میں دلچسپی لی تھی؟“

”یقیناً۔ وہ رات یاد کرو۔ جب تمہارے بیڈ رومن میں بات یاد ہو گئی تھی۔“

”مجھے یاد ہے۔“ چنگ تی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

”وہ کیوں گھس آیا تھا؟“

”اف۔ وہ! سیلی تو میں آج تک سوچتی ہوں۔ اس سے پہلے بھی کسی نے میری اجازت کے بغیر خواب گاہ میں گھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔“

”اسی لیے مجھے اس کے متعلق بہت کچھ سوچنا پڑا ہے۔“

”کیا سوچنا پڑا ہے.....؟“

”سہی کہ وہ میرے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہتا ہے۔“

”سی۔ آئی۔ ذی۔ والاب۔“

”پھر کون ہو گا؟“ صدر جلا گیا۔

”تم خائف ہو؟“

”کیوں نہ ہوں۔ جب کہ پولیس کے پاس ہمراکوئی ریکارڈ نہیں ہے۔“

”لارے تو کیا تھے تم برسے آدمی ہو؟“

”ہاں۔ اے اچھی عورت۔“ صدر کے لجھے میں تحریر تھا۔

”تو یہاں کہوں مرنے آتے ہو؟ جاؤ ٹکٹک۔“ نہ چانے کہوں وہ یک بیک بھر گئی۔ ”دفخ ہو جاؤ۔ درست میں پولیس کو فون کر دوں گی۔“

صدر نے اسے خونخوار انداز میں گورل پھر اٹھا۔ سر پر قلت ہیئت جمالی اور اسے ٹیکھی نظر دیں سے دیکھتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

O

ہمگ وی گریٹ نے جانوں کی سیر کر رہا تھا جنہیں پالکیں اور کھوپڑی نیچے۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی مردہ کھوئے کو اتنا لکھا دیا گیا ہو۔ اس طرح اتنے لکھے ہوئے اس نے دس گھنٹے بیکروڑ عافیت گذر اور دیکھتے تھے۔

اگر پالکیں نہ جھپک رہی ہوتی تو شاید اس پر کسی لاش بھی کا دھوکا ہوتا۔ جھوہ پلاٹ تھا جذبات سے عاری۔ کرب کے آہا تو جھے پر اس وقت بھی نہیں نظر آئے تھے۔ جب اس پر بیدوں کی بادش ہوئی تھی اور سرمت کرنے والوں کو الگ جا کر آہیں میں سکر پھر کرنی پڑی تھی۔ یاد یہ تو بالکل ایسا ہی لگتا ہے جیسے ہم کسی روڈ کے بجھے پر اپنی قوت ضایع کر دیتے ہوں۔“

وہ دونوں آفسر جو اسی سے حقیقت اگلوانے پر ماہور کیے گئے تھے کھود دی بعد بری طرح یعنی دس نظر آنے لگے۔

دفعہ کبڑے نے چھیتھے ہوئے سکر پر سکون لجھے میں کیا۔ ”اب آجھی تدبیر مجھے سے سنو میری کھوپڑی کے نیچے آگ روشن کرو اور اس پر تسلی سے بھری ہوئی ایک کڑھائی برکھ دو پھر میری کھوپڑی میں انتباہ دیجوں رکھ کر مغربوں کی ٹھیک میں پہنچنے لگے۔ بس سہی ایک طریقہ ہے جسے

اختیار کرنے کے بعد تم مجھ سے ایک بڑے راز کی بات معلوم کر سکو گے۔“

”اے کیوں زیچ کر رہا ہے کچوے کی اولاد۔“ ایک آفسر نے بے بھی سے ہنس کر کہا۔

”اچھا تو قریب آؤ۔ میں تمہیں بتائی دوں۔“

آفسر بڑی سمجھی گئے اس کے قریب آگر جھکا۔

” بتائی دوں؟“ کہڑے نے آہستہ سے پوچھا۔

”ضرور۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں انعام بھی دلوائیں گے۔“ آفسر نے بڑے خلوص

سے کہا۔

”اچھا تو سنو امیں اس کو بدسمیت پیدا ہوا تھا۔“

”کیا بات ہوئی....؟“

”اے واہ.... کچھ بات بتائیں ہوئی۔ میری ماں مجھے جنم دیتے ہی مر گئی ہو گی۔“

”کیا بک رہے ہو؟“

ہمگ دی گریٹ نے قہقہہ لگایا۔ بے تھاشہ ہستارہ۔ ”مجھے بڑی لذت محسوس ہوتی ہے جب

سوچتا ہوں کہ میری ماں اس طرح مر گئی ہو گی۔“

آفسر نے جلا کر دونوں ہاتھ اس کے منہ پر مارے۔ لیکن وہ اسی طرح ہستارہ۔

پھر آفسر وہاں سے ہٹ کر دوسرے کمرے میں آیا اور فون پر ڈائریکٹر جزل صاحب کے

نمبر ڈائل کیے....!“

”بیلوا!“ دوسری طرف رحمان صاحب ہی تھے۔

”قریشی.... سر....!“

”ہاں.... کیا رہا....!“

”خوازیت رسالی کی بھی حد ہو چکی ہے جتاب۔“ آفسر نے کہا۔ ”میری دانست میں وہ صحیح

الدعا غنیمیں ہے۔ ہم ان دونوں کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں معلوم کر سکتے کہ وہ ایک

کالے آدمی کی مدد سے وقار و فضائل اس کے مکان کو استعمال کرتے رہتے تھے۔“

”وقار و فضائل....؟“

”جی ہاں۔ کالا آدمی تو اسے بہت دونوں سے پریشان کرتا رہا ہے۔ لیکن ان دونوں غیر ملکیوں

نے تھوڑے ہی دنوں سے وہاں اپنی حرکتیں شروع کی تھیں۔ جب وہ پہلی بار آئے تھے تو کالا آدمی بھی ان کے ساتھ تھا اور اس نے کہرے کو دھککو دی تھی کہ اگر اس نے انہیں وفاوف قاتا اپنا مکان نہ استعمال کرنے دیا تو وہ اسے مارڈائیں گے۔

”وہ کہ اوقات میں اور کس سلسلے میں اس کا مکان استعمال کرتے تھے؟“

”دو یا فتحاں پہلے رات کو وہ دونوں وہاں پہنچتے تھے اور ایک عجیب قسم کی مشین پر کسی کو پیغامات سمجھتے اور اسی مشین پر کسی نامعلوم جگہ سے پیغامات و صول کرتے تھے۔“

”مشین کی ساخت....؟“

”غالباً مشین سے اس کی مراد ٹرانسیمیٹر ہے۔ کیونکہ میں نے بھی ساخت کے متعلق استفسار کیا تھا۔ جواب میں اس نے جو کچھ بتایا اس سے ٹرانسیمیٹری....!“

”خیر۔ اس کا لے آدمی کا حلیہ بتاؤ۔“

”لاکھوں میں پہنچانا جاسکے گا۔ اگر اس نے طبلے سمجھ تھا یہ کہتا ہے اس کا چھروں پیشانی سے تاک کی نوک تک دھوکوں میں منقسم معلوم ہوتا ہے۔“

”میں؟“

”مجھے یقین نہیں آیا جناب اس کے بیان کے مطابق وہ شاید ٹکوار یا تبر کے ذخم کا نشان ہے۔“

”اچھا ٹھہر وہ اب اسے اذیت نہ دو۔ ووسرے احکامات کا تھہار کرو۔“

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ آفیسر نے طویل سانس میں اور رسیور کریڈل میں رکھ دیا....!



کیپٹن فیاض بے خبر سو رہا تھا۔ پھر یہ بیک..... آنکھ کیسے کھلی تھی؟ کیا وہ آواز تھی کسی قسم کی۔ اپنی خوبگاہ میں تھا سو تھا۔ لیکن دروازے کی ایک کنجی بیکم فیاض کے پاس بھی رہتی تھی اور دروازہ اندر سے مغلل کیے جانے پر باہر سے بھی کھولا جاسکتا تھا۔

فیاض نے اندر جیرے میں آنکھیں چھڑا دیں کیونکہ اب وہ قدموں کی آواز بھی سن رہا تھا۔

دروازہ مغلل کر کے سویا تھا۔ اس لیے صرف بر اسلامہ ہنا کر رہا گیا۔ بیوی کی بیویہ حرکت اسے بے حد گراں گزرتی تھی۔ اکتوبر بھی دیہن۔ ”بھی اگر تم پر اختلاج قبضہ کے دورے پڑتے ہیں تو

مجھے بے خوابی میں نہ جلا کیا کرو۔“

وہ اکثر سوتے سوتے جاتی اور کسی الحسن میں جلا ہونے کے بعد فیاض کی خواب گاہ ہی کارخ کرتی خواہ رات کے دو بجے ہوتے۔ سبیا وجہ تھی کہ اس کی خواب گاہ کی ایک کنگی اپنے پاس رکھتی تھی!....!

”چٹ....!“ کرہ روشن ہو گیا.... لیکن فیاض اس طرح اچھلا تھا جیسے کسی نے پلک کے نیچے سے ٹھوکر ماری ہو۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہاتھ ہیروں میں جان ہی نہ رہی ہو۔

”پتائی صاحب ابیٹھے رینے خاموشی سے...“ کرے میں تیز حرم کی سرگوشی گوئی۔ فیاض اس کے خلاف کیسے کرتا جب کہ روپ اور کی نال اسی کی طرف انگھی ہوئی تھی.... اور روپ اور بھی ایک ایسے آدمی کے ہاتھ میں.... جس کا پیڑھہ.... دو حصوں میں منقسم تھا.... ایک بھی انک رات کا تصور فیاض کے ذہن میں رینگنے لگا۔

خوفناک آدمی نے ٹھوکر سے ایک کرسی کھسکائی اور روپ اور کارخ فیاض ہی کی طرف کے ہوئے پینچھے گیا....!

فیاض پلکیں چپکائے بغیر اسے گھورے چاہتا تھا.... دھنلا خوفناک آدمی کے ہونٹ پہلی کئے! پتہ نہیں یہ مکراہت تھی یا عادھا ہونتوں میں صرف کھنقاویہ ہوا تھا؟ فیاض اس کی آنکھوں میں اس حرم کی کوئی تبدیلی نہ دیکھ سکا کہ جسے جذباتی تغیر کا نتیجہ کہا جاسکتا۔

”میرا نام.... نزودا ہے کپیٹن.... پھلو نزودا.... او پیلو نزودا نہ سمجھ پہنچتا۔ میں نے آج تک ایک مصرع بھی نہیں کہا۔“ خوفناک آدمی یو لا۔

دھنلا فیاض نے سنھالا لیا اور آواز غصیلی بنا کر بولا۔ ”کیا میں اس طرح آنے کا مقصد پوچھ سکتا ہوں؟“

”آج میں گرفتہ ہونے آیا ہوں کیپٹن!“

”بھاگ جاؤ۔ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔“ فیاض نے آنکھیں نکالیں۔

”معلوم ہے۔“ خوفناک آدمی کا لامجد طغیرہ تھا۔ ”آپ لوگ بہت ذہین ہیں۔ اتنا بھی نہ ہو سکا اس کبڑے کی اصلیت ہی معلوم کر لی جاتی۔“

”کیا مطلب؟ کیا کبڑا...؟ میں سمجھا نہیں!“

”وہی کبڑا جو سفر جل جل کی ایک تاریک کوٹھری میں الٹا لکھا ہوا تھا۔“

”تم پرچھ نہیں کہاں کی اڑا رہے ہو۔“

”اوہ.... تو کیا آپ نہیں جانتے؟ مجھے حیرت ہے۔“

”میرا وقت نہ برباد کرو۔“ فیاض نے بر امامہ بیٹالیا۔

”سمجا!“ خوفناک آدمی نے متھکرانہ اندراز میں سر ہلا کر کہا۔ ”آپ شاید لا علم ہیں ممکن ہے آپ کے ملک میں سپرشنڈنڈ کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو۔ ہاں تھیک ہے اسی لیے تو وہ ایکثر جزل بھاگے بھاگے پھر اکرتے ہیں۔“

”میں کچھ بھی نہیں سمجھا دوست!“ دھناتی فیاض کا لہجہ بے حد فرم ہو گیا۔ انہوں نے ایک کبوتر کو پکڑوا کر کی دنوں تک الٹا لکھا ہو کر کھل دیا۔ اسی کی صورت کر دی لیکن اس سے اعتراض جنم نہ کر اسکے پھر آخر کار سے چھوڑ دیا چاہا۔“

”تب پھر تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ اس پر الram کیا تھا؟“

”جانتا ہوں۔ ذرا بیکثر جزل کا خیال تھا کہ وہ کسی تخریب پسند مملکت کا لکھت ہے۔“ یک بیک فیاض نے اس پر چلاکٹ لائی۔ لیکن خوفناک امنی عاقل تو نہیں تھا۔ فیاض کریں سمیت دوسرا طرف الٹ گیا۔ پھلوڑ دو دو رکڑا مکڑا مکڑا جانہ تھا۔ ”کیمپین چیز۔“ رو اوور کی نال پھر سیدھی ہو گئی۔

”فیاض اشناہور دروانے کی طرف دیکھنے لگا۔ جس پر سیدھا پورہ کھنچ دیا گیا تھا۔“ ”تو..... تو..... مالی ڈسٹر۔“ پھلوڑ دوسرے رکڑا کر بولا۔ ”ہاں تھیک ہے اسکی سمیت فرش پر ڈھیر ہونے کی آواز دو رکٹ بھی ہو گئی۔ کوئی بھاں تک آئیں نہ حت سخن گوارہ کرتے ہیں۔“

”کیوں؟“ فیاض جو غصے سے پاگل ہوا جانہ تھا دہنے لگا۔

”وہ بھتوں کی طرح کچھ کی نہیں ہوتے۔“

فیاض یک بیک پھر زم پڑ گیا۔ اس کے ہوتوں پر خیف سی سکر اہم تھی۔

”غایب اُذ ہیں کیمپین کی سمجھ میں پوری بات آئی ہے۔“ پھلوڑ دو رکڑا بھی جوابا مکڑا لیا۔

”میں ستمھیلک گیس کی بھلی سی بو محوس کر رہا ہوں۔“

”لیکن بھاں اس کرے میں یہ اتنی بھافی ہے کہ ہم تھد سے کوئی بھی بے ہوش نہیں ہو۔“

سلکا۔ پھلوڑو دانے کہا۔

”تم حد سے بڑتے جا رہے ہو۔“

”بیٹھ جائیے کیپٹن! محکمہ سر اغرسانی میں آپ سے نیادہ ذہین اور پھر تیلا آفسر یہاں اور کوئی نہیں۔ میں دلی سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔“

”اور تم اس لڑکی کے قاتل بھی ہو۔ کیوں؟“

”وہم ہے آپ کا لیکن میں قاتل کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ آپ اس نتیجے پر پہنچتے کہ وہ لڑکی رقابت یا جوش انعام کا دھکار ہوئی تھی۔ بالکل غلط خیال ہے۔“

”پھر....!“

”وہی کہا اس قتل کا ذمہ دار ہے لیکن آپ کے فرشتے بھی اسے کسی عدالت میں نہ پیش کر سکیں گے۔“

”کیا اس کہڑے سے تمہارا جھگڑا ہے؟“

”ہاں۔ اور آپ کے بھائے سے بھی... ذرا 1920ء کا گرین فائل ریکارڈ روم سے نکلا
کر لاحظہ فرمائیجے گا....!“

”تم اس کہڑے کے سلسلے میں ہماری مدد کرنا چاہتے ہو۔“

”چلنے بات سمجھ میں تو آئی۔“ پھلوڑو دانے تھوڑہ لگایا۔

”میں ایسے لوگوں کی قدر کرتا ہوں۔“

”لیکن موقع مل چائے تو چھوڑتا بھی نہیں۔ کیوں؟“ پھلوڑو دانے پڑا۔

”کہا بات ہے۔ جنکل اڑنا۔“ فیاض خوش دلی سے سکر لایا۔

پھلوڑو دانے کی پشا تھا پھر یہک بیک اس کی آنکھوں میں گھری سجدگی کے آثار نظر آئے تھے۔

”وازیکٹر جزل کے لڑکے کا پاگل پین۔“ فیاض کچھ کہتے کہتے رک گیا اور زرودا تھیر اور انداز

میں چوکک پڑا۔

”کمال ہے۔“ وہ فیاض کی آنکھوں میں گھورتا ہوا بولا۔ ”مھلا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں اس وقت اسی کے متعلق لفڑکو کرنے آیا ہوں۔“

فیاض نے فخری انداز میں شانوں کو جیش دی اور چہرے پر انتہت کے آثار پیدا کر کے

بڑیلا۔ ”پانچ گھنٹوں کی نیند بھی میرے مقدار میں نہیں۔“

”مجھے صرف اتنا ہی معلوم کرتا ہے کہ ڈاکٹر داور کی لجباری سے اس کا کیا تعلق ہے؟“

”کس کا تعلق؟“ فیاض کو پھر چونکا پول

”شاید آپ کو ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”دلچسپی بیدا ہوتی ہے۔“ فیاض بولا۔ ”اگر...“

”ٹھہریے۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر یکٹر جزل کے لئے نے بھی کبھی محاذے میں ڈاکٹر داور کی مدد بھی کی تھی۔“

”ممکن ہے۔ میں نہیں جانتا۔“

”کسی طرح اس تک یہ خبر پہنچاد تھی کہ ڈاکٹر داور پھر خطرے میں ہے۔“

”تم آخر آئے کیوں ہو؟“ فیاض کا پارہ پھر چڑھ گیا۔

”میں یہ بتانے آیا ہوں کہ تم بھی خطرے میں ہو۔ تمہارا لکھ خطرے میں ہے کیا ایسی حرکتیں کر رہا ہے جن کی بنا پر دنیا تیری بیکٹ عظیم کی پیٹ میں آسکتی ہے۔“

وفناون کی کھٹتی بھی.... اور فیاض نے میر کی طرف بڑھنا چاہا۔

”ٹھہریے!“ زودا آگے بڑھتا ہوا بولا۔ زب والوں کا رخاب بھی فیاض ہی کی طرف تھا۔

زودا نے رسیوز اٹھلیا۔ کال رسیوز کی اور بر اسماونہ بنائے فیاض کی طرف ہوا۔

”کوئی محترمہ ہیں۔ سنبھالئے لیکن یہ نہ بھولئے گا کہ میرے ہاتھ میں خلیل ریو یا مور نہیں ہے۔“

فیاض نے جھپٹ کر رسیوز اٹھلیا۔

”سمبلو کیٹن۔۔۔ میں ٹھی بول رہی ہوں۔۔۔“

”میں نہیں بیچاں سا محترم۔“ فیاض نے بھرا تی ہوئی آواز میں کہا۔

”ٹوٹ ڈاکٹر داور میرے ذیڈی ہیں۔۔۔“

”اوہ سمجھ گیا۔۔۔ فرمائیے!“

”فوراً آئیے تجربہ گاہ کی طرف۔۔۔ میں گرفتار ہتھا ہوں۔۔۔ ذیڈی نے ابھی مجھے تجربہ گاہ

سے فون پر اطلاع دی ہے کہ میں ڈاکٹر یکٹری میں آپ کے نمبر دیکھ کر آپ کو رنگ کروں۔ وہ خطرے میں ہیں۔“

”لیکن کیا وہ تجربہ گاہ ہی سے براہ راست ریگ نہیں کر سکتے تھے...؟“

”انہیں آپ کے نمبر یاد نہیں تھے شایدیں... اور شاید ان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ وہ خود ہی ڈاکٹر یکٹری میں آپ کے نمبر ٹلاش کر سکتے۔“

”تو میں کہاں پہنچوں؟“

”تجربہ گامیں.... جلدی سمجھئے۔ میں رحمان چچا کو بھی فون کر رہی ہوں۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ فیاض رسیور رکھ کر مڑا۔

لیکن اس طرح اچھل پڑا جیسے کسی نے سر پر لٹھ ریسید کر دیا ہو۔ کرہ خالی۔ بوکھلا کر باہر نکلا۔... سارا گھر چھان مارا لیکن پھلو نزد داکٹر کمپنی پتہ نہ تھا۔

O

فیاض اور رحمان صاحب کی گاڑیاں لیمپڈ ٹری کے چھانک پر ساتھ ہی پہنچیں۔ چوکیدار جاگ رہا تھا۔ رحمان صاحب کو غالباً پیچانا بھی تھا اس لیے چھانک کھلانے کے سلسلے میں انہیں رکھی کارروائیوں سے نہیں گفرنا پڑا۔ رحمان صاحب نے چوکیدار سے کچھ سوالات کیے تھے اندازہ نہ کر سکے کہ چوکیدار اندر کے حالات سے باخبر ہو گا۔

”تم کیسے آئے؟“ رحمان صاحب نے چھانک سے گذر کر عدالت کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

”صاحبزادی نے مجھے فون پر اطلاع دی تھی کہ ڈاکٹر داور خطرے میں ہیں۔“

”سلسلہ ہوا یا نہیں۔“

”مجھاں....!“

وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ تجربہ گاہ کی عدالت چھانک سے تقریباً ایک فرائغ کے فاصلے پر تھی۔ عمارت تاریک پڑی تھیں کہیں بھی روشنی نہ دکھائی دی۔ وہ وزیر سر روم کی طرف بڑھے اور سوچ یورڈ پر کال بیتل کا بن دیا۔ بار بار سکھی کرتے رہے لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔

پھر کیپٹن فیاض نے دروازے پر قوت صرف کرنے کا راہ کیا ہی تھا کہ رحمان صاحب اس کا شانہ چھو کر بولے۔ ”شہر“ چند لمحے کچھ سوچتے رہے پھر کہا۔ ”تم نے غلطی کی۔ اکیلے چلے آئے کچھ آدمیوں کو ساتھ لانا تھا۔ جب لڑکی نے جھیپسیں....“

”میرے ساتھ پانچ اسکیتھے ہیں۔“

”مگر... تو پھر انہیں بلاو۔“

فیاض نے سنتی نکالی اور اسے ہونٹوں کی طرف بیٹھا کر رہا تھا کہ رحمان صاحب کی نظر پر گئی۔ جھنجلا کر بولے۔ ”عجیب آدمی ہو۔ عقل استعملی کیا کرو۔ خود جاؤ بہر... خاموشی سے لاو۔“ فیاض بوکھلانے ہوئے انداز میں چھانک کی طرف دوڑ گیا۔

رحمان صاحب بھی کملے میں نکل آئے تھے۔ انہوں نے آنکھ پاس کی کمز کپوں اور دوڑوازوں پر نارجی کی روشنی ڈالی اور پھر ایک جانب ان کے قدم تیزی سے اٹھ گئے۔ کمز کی جس میں سلاخیں نہیں تھیں کملی ہوئی نظر آئی۔ لیکن اندر ہم کی تھی۔ رحمان صاحب نے ایک سکنگری اٹھا کر اندر تسلیکی اور تیزی سے باہمیں جانب بہت کروڑیوار سے جا گئے۔ لیکن اندر کے سلائے میں سکنگری گرنے کی آواز کے علاوہ اور کسی قسم کا تغیر نہ ہوا۔

انٹے میں چھانک کی جانب سے قدموں کی آوازیں آئیں۔ غالباً یہ فیاض کی ماتحت ہی تھے۔ رحمان صاحب نے نارجی کا رخ چھانک کی طرف کر کے روشنی کے سکھنے دیئے اور وہ لوگ ادھر ہی پلے آئے۔ کچھ دیر بعد وہ ایک ایک کر کے گزارنے لے گئے۔

رحمان صاحب نے سب سے پہلے اس حصے کا رخ کیا جہاں تھا کٹرداور پیجلڈری ہے۔ اسی رات دن گزارنے کی صورت میں آرام کیا کرتے تھے۔ کرہ خالی تھا۔ لیکن یہاں انہیں غیر معمولی حالات نہ دکھائی دیئے۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔ بستے تھکن تھا۔ شاید کوئی اس پر بیٹھا گی نہ ہو گا۔ پھر تین ملاز میں ایک جگہ ہے ہوش پڑے ملے۔ لیکن ان کے جسموں پر غرباً خاک کے نشانات نہیں تھے۔

”غالباً کوئی نشہ آور چیز۔“ رحمان صاحب ان کا جائزہ لیتے ہوئے بڑی اسے اور فیاض کی طرف ٹرکر بولے۔ ”اب تم لوگ لوکی کی خبر لو۔ اس کے بعد یہاں نہیں کی ضرورت نہیں۔“ سرف ایک آدمی لڑکی کے پاس رک چاہئے۔ فیاض تم ہی رکھا۔ بقیہ لوگ جائیں گے۔“ فیاض کی آنکھوں میں البحن تک آمد نظر تھے۔ لیکن یہ بھی نہ کہہ سکا کہ وہ رحمان صاحب کو وہاں تھا۔ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد رحمان صاحب پھر فاٹکھوڑ اور کی خوابگاہ کی طرف واہیں آرے تھے۔ بے ہوش آدمی جوں کے توں پڑے رہے۔ اس پر انہیں خوابگاہ کا دروازہ بند نظر آیا۔ والہی کا مقصد یہ تھا کہ وہ خوابگاہ سے گرفتوں کریں۔

گے۔ کوشش کریں گے کہ عمران تک ایک پیغام بھیج جائے۔ جوان کی دانست میں اس وقت تک اپنے کمرے میں خراشے لے رہا ہو گا۔ وہ خیالات میں الجھے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔ بند دروازے کو دھکا دیا اور پھر بے سانتہ اچھل پڑے کیونکہ کرہ خالی نہیں تھا۔

”عمران....!“

پھر ان کی پیشانی پر ٹکنیں ابھر آئیں۔ انہوں نے سوچا جب کجھ تو اس کا بھی علم تھا تو اب تک خاموش کیوں رہا تھا۔

”کیوں؟“ وہ غرائے۔

عمران اس وقت ضرورت سے فیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ اس نے بھراہی ہوئی آوازیں کہل دیں۔

”ڈاکٹر داور سے زیادہ صدی آج تک میری نظر سے نہیں گذر رہا۔“

”کیوں؟“

”خطرہ محسوس کرنے کی وجہ بھی آپ لوگوں کو تھائی جاسکتی تھی۔“

رحمان صاحب کی سوچ میں پڑ گئے پھر عمران کو ٹھوٹنے والی نظر وہی سے دیکھتے ہوئے بولے۔ ”ممکن ہے اس کی مہلت ہی نہ مل سکی ہو۔“

”تلیم نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کوئی ناگہانی حلاش ہے۔“

”کیوں؟“

”اگر ڈاکٹر داور نے اچاک غیر متوقع طور پر اپنے لیے کوئی خطرہ محسوس کیا تھا تو وہ ہی اس کا مقابلہ کرتے۔ آپ لوگوں کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”کیا بات ہوئی؟“

”یعنی وہ خطرہ انجانتا نہیں تھا۔ وہ پہلے سے واقع تھے کہ خطرہ خیش آسکتا ہے۔“

”چلو بھی کہی۔ پھر....؟“

”پھر کچھ بھی نہیں۔ میں نے صرف یہ عرض کیا تھا کہ ڈاکٹر ہندی ہیں۔“

”تم یہاں کب سے ہو۔“

”آپ کی گاڑی کی ذکر میں گھٹری بن کر آیا تھا۔“

”یہ کیا بے ہودگی تھی۔“ رحمان صاحب پھر جلا گئے۔

بے آواز سیارہ

”یہ تو دیکھتے کہ ان بے ہود گیوں کے لیے مجھے کتنی تکلیف اٹھائی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر میں آپ کا فون شیپ کرتا ہوں۔“
”کیا مطلب...؟“

”ڈینی چلیز۔ یہاں نہیں گھر۔ پر... اب آئے میرے ساتھ آپ کو دکھاؤں کہ ڈائز اس وقت کہاں سے عابر ہوئے ہیں۔“

”تم بالکل گدھے ہو۔ یہ کیا حلیہ بنا کھا ہے؟“ رحمان صاحب نے اس کے سر پر منڈھی ہوئی سیاہ ٹوپی کو گھوڑتے ہوئے کہا۔

”یہ دیکھئے!“ عمران نے ٹوپی کا نچلا گوشہ کھینچتے ہوئے کہا۔ اب ٹوپی نے غلاف کی طرح اس کے پورے چہرے کو ڈھک لیا تھا۔ آنکھوں کی جگہ دوسرا خ تھے۔

”چلو۔“ رحمان صاحب نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ وہ بھی عادتاً مجبور تھے ورنہ فیاض اور اس کے متحتوں کو یہاں سے ہنادیئے کا مقصد سیکھا کر کسی طرح عمران کو فون پر بیان کر تجربہ گاہ کے حادثہ کی اطلاع دیں گے۔ ظاہر ہے اس کا مقصد بھی اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ عمران تجربہ گاہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔

عمران انہیں آبزو دیتے کی طرف لے جا بھا تھا اور اس کا چہرہ اب بھی نقاب ہی میں پوشیدہ تھا۔ دھنٹا تھوڑے ہی فاصلے سے فائرول کی آوازیں آئیں اور وہ پلتے پلتے رک گئے۔

”اوہ۔ کہیں... لڑکی تو خطرہ میں نہیں ہے؟“ رحمان صاحب بولے۔

”پروانہ سمجھتے۔ لڑکی کا کوئی مصرف نہیں ہو سکتا۔“

”ہوش کی باتیں کیا کرو۔“ رحمان صاحب پھر گزر گئے۔

”غلط نہیں کہہ رہا۔ لڑکی کا مصرف اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ہم اس کے چکر میں پڑ کر وقتی طور پر اپنی توجہ تجربہ گاہ سے ہنالیں۔ آئے تو کسی دھچھ آدمی ہیں۔ فیاض اتنا شریف نہیں ہے کہ اس نے فوری طور پر آپ کے حکم کی تعلیل کی ہو۔“

”یعنی...!“

”وہ ابھی ڈائز کی رہائش گاہ سے پلانا ہو گا۔ پورے چھ آدمی اس لڑکی کی دیکھے بھال کے لیے موجود ہوں گے۔“

بات حق سے اترنے والی تھی۔ اس لیے رحمان صاحب کو آبزرویٹری ہی کی طرف بڑھنا پڑا۔ چاروں طرف سنائے اور اندر میرے کی حکمرانی تھی۔ دھنخانہ عمران ٹھیک گیا۔ رحمان صاحب بھی رکے۔ آبزرویٹری کے نیچے دروازے کے قریب ایک متھر کے سایہ نظر آ رہا تھا۔ عمران بڑی پھر تی سے زمین پر لیٹ گیا۔ رحمان صاحب نے بھی کافی تیزی دکھائی۔ سایہ دروازے کی تاریکی میں مدغم ہو چکا تھا۔

عمران آہستہ آہستہ سینے کے مل ریتھے لگا۔ آبزرویٹری کے دروازے تک پہنچنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ جیسے ہی اس نے دروازے میں بھی داخل ہونا چاہا۔ رحمان صاحب نے تاگ پکڑ لی۔ اندر اندر میرا تھا۔

”جلدی نہیں۔“ رحمان صاحب نے تیزی سے کمک کر اس کے برابر پہنچتے ہوئے سرگوشی کی۔

”مطمئن رہیے؟“

وہ تھوڑی دیر تک سونگن لیتا رہا۔ پھر اندر ریک گیا۔ تھوڑی دیر بعد رحمان صاحب نے اندر روسنی کی بلکل ہی لکیر دیکھی۔ شاید عمران نے اپنی پہلی تاریق روشن کر لی تھی۔

”آ جائیے۔“ انہوں سرگوشی سنی اور رحمان صاحب بھی اندر پہنچ گئے۔ فائزہ کی آوازیں گاؤ بگاہے اب بھی سنائی دے جاتی تھیں۔

یہ گول کرہ دیران تھا۔ باسیں جانب دوسری منزل کے زینے تھے۔ عمران نے دروازہ بند کر کے اسے بولٹ کر دیا۔

”ربو اور ہے نا؟“ عمران نے پوچھا۔

”اوہ۔ تم بتاؤ کیا کرنا چاہیے ہو؟ وقت برپا نہ کرو۔“ رحمان صاحب دانت چیس کر بولے۔ ”ہو گا وہی۔۔۔ خبر۔۔۔ آپ تینیں ٹھہر ہیے۔۔۔ میں اوپ جا رہا ہوں اگر کوئی دروازہ توڑنے کی کوشش کرے۔۔۔ تو۔۔۔!“

”میں پچ نہیں ہوں!“ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے رحمان صاحب تھپڑی تو رسید کر دیں گے۔ لہجہ بہت تنگ تھا۔

”خداحافظ۔“ عمران دوسری منزل کے زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

O

کھرا اور سرک پر ہوا تھا۔ شاید نوبجے رات کی بات ہے.... صدر کو وہ قطعی غیر موقع طور پر نظر آیا تھا اور اس طرح مل رہا تھا جیسے گھٹ رہا ہو۔ چہرے پر درم تھا اور کئی جگہ نیلے اور سیاہ نشان نظر آرہے تھے۔

پچھے دور چلا اور رک جاتا۔ صدر نے اسے ایک گلی سے نکلتے دیکھا تھا اور اب وہ دونوں آگے پیچھے جعل رہے تھے۔ دھلتا صدر نے جیزی سے قدم بڑھائے ہوا اس کے قریب جا پہنچا۔ ”جہاں پناہ...!“ صدر کا لیجہ محلہ خیز تھا۔ کبڑا رک گیا لیکن اس کی طرف مڑا نہیں پہنچی آنکھوں سے سامنے خلاء میں گھوڑا تارہ۔ ”یہ آپ کی کیا حالت ہے عالی جاد۔“ صدر نے پھر چیزیں اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ان دونوں کبڑے پر کیا گذری ہے۔

”حالت۔“ کبڑے کے ہونٹوں پر خفیہ سی مکراہٹ نظر آئی۔ ”بس اسکی ہی حالت ہے کہ میں تمہیں آواز سے پہچان سکتا ہوں لیکن اتنی ہمت نہیں کہ گردن گھما کر تھہاری محل دیکھ سکوں۔“ ”تام بتاؤ اس کا استاد جس نے تمہیں اس حال کو پہنچایا ہے۔“

”کیا کرو گے؟“ بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا گیا۔ ”اس کی نائگ پکڑ کر سارے شہر میں گھینٹا پھر دوں گا۔“

”پولیس۔“

”ترے بات رے۔“

کبڑا ہنس پڑا اور بولا۔ ”چلو۔ کہیں بیٹھیں گے۔“

پچھے دری بعد وہ ایک گندے سے چائے خانے میں نظر آئے۔ ”کیا گذری؟“ صدر نے پوچھا۔

کبڑا لاپرواں سے شانوں کو جبکش دے کر بولا۔ ”وہ بحکمت ہیں کہ شاید میں کسی سازشی ملکت کا بجٹھ ہوں۔“

”حالانکہ تم اسکلروں کے باڑا شاہ ہو۔“

”میں ساری دنیا کا بادشاہ ہوں۔“ کبڑا غریا۔ ”آج نہیں توکل... ساری دنیا کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔“

”تو وہ تم سے کیا معلوم کرنا چاہتے تھے؟“

”اے لڑکے چائے!“ کبڑے نے ایک دیٹر کو مخاطب کیا۔

صفدر نے پھر اپنا سوال دہرایا۔ لیکن اس نے اکتابے ہوئے انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”چھوڑو، ختم کرو۔“

صفدر پھر کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ پھر یک بیک کبڑے نے کہا۔ ”تم نے اس دوران میں کون سا کارنامہ انجام دیا۔“

”میں نے.... نہیں کچھ بھی تو نہیں۔“ صفردار اس سوال پر گزبر گزبر اگیا۔

”میں نے تم سے کہا تھا کہ کسی ایسے آدمی کو جلاش کرنا جس کا چہرہ پیشانی سے ناک سک دو حصوں میں تقسیم ہے۔“

”مجھے تو کبھی نہیں دکھائی دیا۔“

”پھر اب تم بھی میرے قریب نہ دکھائی دینا۔“ کبڑے نے میز پر گھونسamar کر کھا اور اس کی آواز بہت زیادہ بلند ہو گئی۔

وفٹا کسی نے حیج کر کہا۔ ”اے منڈو.... گردن میں ہاتھ دے سائے کی... آج پھر لگھس آیا۔ حرای۔“

اور پھر صدر نے ایک بہنے کئے غنڈے کو اپنی میز کی طرف جھینٹتے دیکھا۔

پھر وہی مصیبت.... اس نے سوچا۔ ایک بار پہلے بھی وہ ایسے ہی حالات سے دو چار ہو چکا تھا.... وہ سنجل کر بیٹھ گیا۔ پچھلا تجربہ بھی زیادہ پرانا تو تھا نہیں کہ وہ اس وقت غافل ہوتا۔

جیسے ہی غنڈے نے.... کبڑے کی گردن دبو پنے کی کوشش کی۔ صدر نے ایک ہاتھ اس کے جڑے پر رسید کر دیا۔ وہ قریب ہی کی ایک میز پر جا پڑا۔

پھر قبل اس کے کہ دوسرے بھی اس کی مدد کو وجہتے صدر نے ایک بلب توڑ کر ہال میں اندر ہرا کر دیا۔ لیکن کبڑے کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہ آس کا اس نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کر نکل ہی جائے.... کبڑا اتنا حق نہیں تھا کہ اندر ہرے سے فائدہ منہ اٹھا سکے۔

فٹ پاتھ پر پہنچتے ہی وہ آہستہ آہستہ چلے لگا جیسے بہت دور سے سڑکیں ناپا چلا آ رہا ہو۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ نہیں کہیں کسی قسم کا ہنگامہ برپا کر کے سڑک پر آیا ہو گا۔
کہنے کے کہیں پتہ نہ تھا.....

O

عمران دبے پاؤں زینے طے کرتا ہوا دوسرا منزل پر پہنچا۔ پھر تیسری منزل کے زینوں کی طرف بڑھا تھا کہ کسی نے پوچھا۔ ”کون؟“
اور عمران رک گیا۔ اندازہ ہو گیا کہ آواز کدھر سے آئی ہے۔
پھر یک بیک کسی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ محلہ خاصہ شدید تھا۔ لیکن عمران سنبھل ہی گیا۔
ایک قدم پہنچے ہٹ کر اس نے اس کے چہرے پر ایک زور دار ہاتھ چڑیا۔ وہ لڑکہ اکر پہنچے ہٹا تھا
تفاکہ عمران نے مجرمی ہوئی آواز میں کہا۔ ”خربدار حرکت نہ کرو اپنی جگہ سے... بے آواز
ریو اور...!“

نامعلوم آدمی نے اپنے دلوں ہاتھ اور چہادرے۔
”چلو نچلے زینوں کی طرف مڑ جاؤ۔“ عمران نے تھکانہ لجھ میں کھا لو رہے بے چون و چرا کے آگے بڑھ آیا۔ عمران کا اندازہ تھا کہ آبزر ویٹری میں اس وقت کوئی چوتا آدمی موجود نہیں۔
زینوں پر پہنچتے ہی اس نے محدود روشنی والی ٹاریچ روشن کر لی۔ قیدی آگے کھلے۔ عمران کو اس کے چہرے پر ولسی ہی شتاب نظر آئی جیسی خود اس کے چہرے پر تھی۔
”یہ کون ہے؟“ رحمان صاحب نے مختبر بان انداز میں پوچھا
”یہ پھر دیکھیں گے۔ فی الحال اسے قابو میں رکھنا ہے۔“ عمران نے بدلتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

نقاب پوش نے اس وقت مراجحت کی جب وہ اس کے ہاتھ نالی سے پاندھنے چاہ رہے تھے۔
لیکن اب وہ بہر حال بے بس تھا۔ ناگوں کے لیے عمران نے اپنی نالی کھوئی اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ آدمی ایک گوشے میں پڑا ہوا نظر آیا۔ نقاب چہرے سے ہٹادی گئی تھی اور منڈ میں حق تک دو روپاں ٹھوپ دیے گئے تھے۔ لیکن عمران کو نہیں یاد آ رہا تھا کہ اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہو رحمان صاحب کے لئے بھی وہ اجنبی ہی تابت ہو۔

وغلتا کسی نے بند دروازے پر باہر سے دستک دی اور ساتھ ہی آواز بھی آئی۔
”سوئی... جلدی کرو...!“

قیدی نے تیزی سے فرش پر لوٹا شروع کر دیا۔ لیکن حلق سے آواز نہ نکال سکا۔ عمران کو پہلے ہی سے علم تھا کہ دروازے کے جوڑوں میں جھریاں نہیں ہیں۔ اس لیے باہر سے اندر کے حالات نہیں دیکھے جاسکتے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے بلب روشن کر دیا۔
”سوئی۔ کہاں ہو۔ یہ تم نے دروازہ کیوں بولٹ کر دیا ہے؟“ باہر سے آواز آئی۔

رحمان صاحب نے اشارے سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے....
وغلتا پھر فائزگنگ کی آوازیں آئیں۔ اس پار فائز کرنے والے غالباً قریب ہی تھے۔

”اوہ بھائی! جہنم میں جائے۔“ باہر کسی نے کہا اور پھر سنانا چھاگیا۔

ٹھیک اسی وقت عمران نے کیپٹن فیاض کی آواز سنی۔ ”خبردار۔ خبردار....!“
پھر فائز رہا بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں۔ پھر فائز....!

قدموں کی آوازیں دور ہوتی گئیں اور دروازے پر دستک ہوئی۔
”یہاں کون ہے؟“ کیپٹن فیاض کی گرفدار آواز سنی گئی۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ تینوں آبروزیتی کی بالائی منزل پر نظر آئے جہاں دنیا کی پانچھیں سب
سے بڑی دوری میں نصب تھیں۔

قیدی دو انسپکٹر ہوں کی گھر لفٹی میں تھا اور تین انسپکٹر ڈاکٹر ہوں کی رہائش گھوہ کی گھر میں کر رہے تھے
فیاض نے رحمان صاحب سے کئی بار ان کے غتاب پوش ساتھی کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا
لیکن بہت نہ پڑی۔ ویسے خود رحمان صاحب پر حیر توں کا پہلا ٹوٹ پڑا تھا کیونکہ فیاض کا سامنا
ہوتے ہی عمران کی آواز یکسر بدل گئی تھی نہ صرف آواز بلکہ چلنے کے انداز میں رحمان صاحب
اجنبیت محسوس کرنے لگے تھے۔

بالائی منزل پر خاصی ابتری نظر آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے یہاں کچھ لوگ آپس میں
مکرا گئے ہوں۔

”میرا خیال ہے کہ داور میں تھا۔“ رحمان صاحب بولے.... پھر فیاض سے پوچھا۔ ”ان
لوگوں سے تمہارا مکرا کیسے ہوا تھا؟“

”کسی نے چوروں کی طرح عمارت میں داخل ہوئی کو شش کی تھی۔ اسکے بعد سعید نے لکارا تو اس نے قاتر کر دیا بعد میں وہ کمی آدمی ثابت ہوئے۔“

عمران اس گفتگو سے بے تعلق آس پاس کی چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ فیاض بار بار اس کی طرف بھیسوں سے دیکھنے لگا۔

O

دوسری صبح کیشنا اپنے آفس میں بینجا اوگھے رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف رحمان صاحب تھے۔

”قیدی سے کیا معلوم کیا؟“ انہوں نے پوچھا۔

”پچھے بھی نہیں جتاب اودھ نہیں بتا سکتا کہ وہ لوگ ڈاکٹر داور کو کہاں لے گئے ہیں۔ اس کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ چند آدمیوں کا ہاتھ بٹائے۔ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا باس کون ہے۔۔۔ اسے ہر ماہ دو ہزار روپے ملتے ہیں۔ کوئی کام کرے یا نہ کرے۔ ویسے اس نے پانچ آدمیوں کے نام اور پچھے بتائے ہیں۔ جن کے ساتھ وہ اکثر مختلف تم کے کام کرتا رہا ہے۔“

”ڈاکٹر داور کے انخواہ کا مقصد۔“

”اس پر بھی وہ روشنی نہیں ڈال سکا۔“

”پھر تم اس سلسلے میں کیا کر سو گے؟“

”جو آپ فرمائیں جتاب!“

”اُن پانچ آدمیوں کے لیے تم نے کیا کیا جن کے نام اب ہدیتے اس نے بتائے ہیں۔“

”پانچ اسکٹران کی خلاش میں ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ رحمان صاحب نے تھوڑی توقف سے کہا۔ ”ہاں دیکھو۔ تمہیں کہہتے ہو بھی نظر رکھنی ہے۔“

فیاض چوک پڑا۔ خود اس میں تو اتنی بہت نہیں تھی کہ وہ رحمان صاحب سے کسی کو فائدہ نہیں ملے کے متعلق پچھے پوچھ سکا لیکن وہ جاہتا تھا کہ کسی طرح پلو زرودا کے بیان کی تصدیق ہو جائے۔

”کیوں؟“ اس نے کہا۔ ”مہبت بہتر جتاب!“

"وہ خود کو ہمگ دی گریٹ کہتا ہے۔" رحمان صاحب بولے۔

فیاض نے پلکیں جھپکائیں۔ بہترین موقع تھا کہ وہ رحمان صاحب پر اپنی کار گزندیوں کا درعبِ ذات کے "اوہ۔" اس نے ماد تھوڑے پیش میں کہا۔ "سمجھ گیا جتاب! شہر میں عرصے سے ایک چپکش چل رہی ہے۔ دو عجیب آدمیوں کے درمیان۔ ایک کڑا ہے اور دوسرا..... سمجھ میں نہیں آتا کہ دوسرے کو کیا کہا جائے۔ اس کا چہرہ پیشانی سے ناک سک دھسوں میں تقسیم معلوم ہوتا ہے۔"

"اوہ۔ تو تم ان دونوں ہی سے واقف ہو!"

"جج۔ جی ہاں!" فیاض نے کہہ تو دیا لیکن سانس پھونے لگی۔ اس خیال سے کہ کہیں اب رحمان صاحب کوئی ایسا سوال نہ کر بیٹھیں جس کا جواب اس کے فرشتوں کے لیے بھی ممکن نہ ہو۔ کیونکہ اس نے آج تک کسی ایسے کبڑے کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔"

"فیاض....!"

"لیں سر....!"

"میں کو تھی ہی پر ہوں۔ فوراً پہنچو۔"

"اوکے سر!" فیاض نے ہانپتے ہوئے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور کھ دیا۔ خاصی سردی ہونے کے باوجود بھی اس کی پیشانی پُسچ گئی تھی۔

O

رحمان صاحب ڈاکٹر داور کی لڑکی شی کو اپنے ساتھ گمر لے آئے تھے۔ صبح ہوتے ہی ڈاکٹر داور کے اخواں کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ اخبارات نے معمول کے شمارے شائع ہونے کے تین گھنٹے بعد اپنے ضمیمے بھی شائع کیے۔ ڈاکٹر داور کا پسر اراغوا معمولی واقعہ نہیں تھا کیونکہ وہ میں الاقوامی شہرت اور پوزیشن کے مالک تھے۔

شی رات ہی سے روئی رہی تھی۔ شیا اور اس کی بچاؤ بہنیں اس کے پاس تھیں۔ عمران اپنے کمرے میں اوپکھے رہا تھا۔

اب گمر والوں نے اس کی طرف خصوصیت سے توجہ دیا ترک کر دیا تھا۔ جوزف کو بھی اس کے کمرے تک آنے کی اجازت مل گئی تھی۔ لیکن کمرے میں داخلہ منوع تھا۔ وہ اندر آتا اور گھنٹوں کھڑ کی کل سالا خیں پکڑے کھڑا رہتا۔ اسے آج تک عمران کے پاگل بننے کے متعلق حققت کا

علم نہیں ہو سکا تھا۔

اس وقت بھی وہ کھڑکی کے قریب کھڑا عمران کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن عمران کی غنودگی کا سلسلہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اتنے میں شریا اور آنکھی جوزف نے مڑ کر بڑے لوب سے سلام کیا اور کھڑا ابو راتاہہ۔

”میں کہتی ہوں آخر تم کہیں اور کیوں نہیں چلتے جاتے۔ دوسروی جگہ ملازمت کرو۔“ شریا نے کہا۔

جوزف کے نخنے پھر کئے گئے اور موٹے موٹے قطرے گاؤں پر ڈھلک آئے۔ زبان سے پکھنڈ بولا اور کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔

”اچھا فی الحال تو حکمو بابا۔ یہاں پکھ لوگ تھر ہے ہیں۔“ شریانے نرم لہجہ میں کہا۔ اسے جوزف سے ہمدردی تھی اور عمران پر بے تھاں غصہ آتا تھا کہ آخر وہ جوزف کو بھی حقیقت سے کیوں نہیں آگاہ کر دیتا۔ جوزف چپ چاپ رخصت ہو گیا۔

”شی عمران کو دیکھنا چاہتی تھی..... ویکھا لیکن پکھنڈ کہہ سکی۔ روئینے دو تے پکلوں پر درم آگیا تھا۔ آنکھیں بیر بھوٹی ہو رہی تھیں۔ اس بار عمران کا رخ بھی کھڑکی ہی کی طرف تھا۔

”مگر.....“ اس نے سلاخوں کے قریب آ کر شی کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ ”اوہ! تم لوگ شاید انہیں رہیہ سل کر ا رہی تھیں۔ دیری فائیں..... آرٹھک..... ہاہا..... یوکس آفس ہت!“

شریانہ کا دل چاہا کہ عمران کے سر پر تھر تو ٹوٹے۔ حد ہو گئی سنگدی کی۔ اسے پاگل بنے ہو تو بکواس کی کیا ضرورت ہے.... خاموش رہو۔ بے چاری شی..... کیا وہ اس وقت ان باتوں سے محظوظ ہو سکے گی۔

”چلو۔“ شریانے شی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”ورنہ تمہاری طبیعت ہو رہیا ہو خراب ہو جائے گی۔“

بھر جال میدان صاف ہو جانے پر عمران نے کھڑکی پرند کر دی۔ اور کرے کے دوسرا سرے کی طرف پلت آیا۔ تیزی سے جگ کر قائم ہوا۔ اور پکھنڈ دیر فرش پر جھکا گیو توں ہاتھوں کے ہنگو ٹھوٹوں سے فرش پر زور صرف کرتا رہا۔ پھر اس طرح تیزی سے پیچے ہنا جیسے کسی کنوں میں گر جانے کا خدشہ لاحق رہا ہو۔

دھننا ایک نائیں اپنی جگ سے کھمک کر دوسرے کی درمیانی خلاء میں ساگیا۔ نائیں کار قبہ کم از کم دو مریع فٹ ضرور رہا ہو گا..... اب فرش پر ایک اتنی بڑی خلاء نظر آرہی تھی جس نے ایک آدمی بخوبی گذر سکتا۔

کچھ دیر بعد عمران ایک چھوٹے سے تہہ خانے میں نظر آیا۔ ڈکھافون بخوبی کام کر رہا تھا یعنی وہ رحمان صاحب کی لا بصری میں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ صاف سن سکتا تھا۔ آوازوں کا پہچان لیتا کتنی بڑی بات تھی اور پہرا سے تو پہلے ہی سے علم تھا کہ رحمان صاحب نے کیشین فیاض کو کوئی پر طلب کیا ہے۔ شاید وہ طلبی کے مقصد نے بھی واقف تھا۔ ورنہ دونوں کی گفتگو سننے کے لیے اتنا بیجی جیسے نہ ہوتا۔

رحمان صاحب کہہ رہے تھے۔ ”تم کہڑے اور اس آدمی کے متعلق کیا جانتے ہو؟“

”جانتا تو کچھ بھی نہیں لیکن۔“ فیاض کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”کچھ کہتے وقت جملوں کا گرامت گوئیا کرو۔“ رحمان صاحب کی آواز۔

”میں عرض کر رہا تھا جناب کو دوچھوڑ والا۔ خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”کیا تم نے ابے دیکھا ہے؟“ رحمان صاحب صاحب کی آواز۔

”نجی ہاں۔ لیکن اسے پکانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔“

”ہزاروں میں پہکانا جائے گا!“

”جی ہاں۔ بڑی آسانی سے!“ فیاض نے جواب دیا۔ ”لیکن کیا ہمارے پاس اس کا کوئی ریکارڈ ہو گا۔“

”میرا خپلا ہے کہ... ریکارڈ موجود ہو گا۔ لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ... کس سن کے فائل میں ملے گا۔“ رحمان صاحب کی آواز۔

”وہ دیکھئے مم...“ میرا خپل ہے کہ سندھ انس سوہیں تاگرین فائل...!“

”کیا؟“ رحمان صاحب کے بچھ میں استغتاب تھا۔ ”گرین فائل... تم کیا جانو...“

تمہارے ٹھکے سے تو اس کا متعلق ہی نہیں۔“

دھننا کیشین فیاض کا چہرہ زرد پر گیل۔ حماقت سر زد ہوئی تھی۔ اس کا تذکرہ کرنے سے پہلے اسے

اپنے ٹھکے کے ریکارڈ سپرے گفتگو کرنی چاہئے تھی۔

”جواب دو۔“ رحمان صاحب اسے گھوتے ہوئے بولے۔ ”گرین فائلوں کا تعلق ہم سے تو نہیں ہے.... تم گرین فائلوں کے متعلق کیا جاؤ۔“
”میں.... میں.... وہ.... بچ.... جی....“ ”فیاض ہکلایا۔

”ادھر دیکھو۔ تم کہاں ہو۔“ رحمان صاحب کے لباس میں جلاہٹ تھی۔ دفعتاً فیاض کو ایک معقول ساجواب سوچنے ہی گیا۔

”در اصل قصہ یہ ہے جتاب کہ میں نے اس آدمی پللو زرودا... کو کہیں دیکھا تھا۔“
”پللو زرودا....؟“

”جی ہاں! اس کے نام سے بھی واقف ہو گیا ہوں۔ ایک دن میں نے کہڑے اور پللو زرودا کی گفتگو سنی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں۔ کہڑا اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ جب چاہے اسے چھانٹی کے چند سے سک پہنچا سکتا ہے۔ اسے نہ بھولنا چاہیے کہ اس کا مکمل روکارڈ ہاں کے گرین فائل میں موجود ہے۔ اور غالباً جی ہاں!.... وہ ۱۹۴۰ء میں کافائل تھا۔ دیکھنے سے کے معاملے میں میری یادداشت دھوکا بھی دے سکتی ہے۔“

”ہوں۔ اچھا۔ وہ.... آدمی پللو زرودا رہتا کہاں ہے؟“

”آج تک نہیں معلوم کر سکا جتاب....“

”سوال یہ ہے کہ تم ان دونوں کی طرف متوجہ کیے ہوئے تھے؟“

”دونوں ہی عجیب اختفت ہیں جتاب! جب دونوں اکٹھے ہوں تو خواہ تجوہ متوجہ ہونا پڑے گا۔“

”پھر اگر ان کی گفتگو میرے پیشے کے اعتبار سے قابل توجہ ہو تو دیچھی لیناضروری ہو جائے گا۔“

”گفتگو۔ کس قسم کی گفتگو.... نوٹ کی تھی تم نے۔“

”کوئی تباہ مسئلہ تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو جیل بھونے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔“ فیاض بے تکان جھوٹ اڑائے جا رہا تھا۔ ”پھر کہڑے نے دفعتاً گرین فائل کا حوالہ دیا تھا اور بد صورت آدمی پللو زرودا بول کھلا گیا تھا۔“

”وہ دونوں کب سے نہیں دکھائی دیئے۔“

”کئی دن سے۔“

رحمان صاحب تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے۔ ”اچھا تھیک ہے۔ دونوں پر نظر رکھو۔“

پھر انہوں نے فیاض کو کہرے کے اس مکان کا پتہ نوٹ کرایا جہاں اس کی گرفتاری عمل میں آئی تھی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فیاض کو جلد از جلد رخصت کر دینا چاہتے ہوں۔ لیکن فیاض غالباً منتظر تھا کہ رحمان صاحب خود ہی اسے واپسی کی اجازت دیں۔

”بس جاؤ۔“ رحمان صاحب نے کچھ دیر بعد مضطربانہ انداز میں کہا۔

فیاض کے چلے جانے پر وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھے کسی کے نمبر ڈیتائل کیے۔

”ملٹری ائیلی جنس؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کلکٹ جزل شاہد۔“ رحمان صاحب نے کہا۔

”یور آئیڈیٹی پلیٹر؟“ دوسری طرف سے سوال ہوا۔

”ڈی جی آف سنٹرل ائیلی جنس یورو۔“

”اوے سر!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ اور تھوڑی دیر بعد جزل شاہد کی آواز آئی۔

”پیلو! رحمان.... اولڈ یوائے۔“

”شاہد پندرہ منٹ کے اندر مجھ سے کہاں تکل سکتے ہو؟“

”کوئی خاص بات۔“

”بہت اہم۔“

”کیا تم کو خی سے بول رہے ہو؟“ جزل شاہد نے پوچھا۔

”ہاں....!“

”اچھا تو وہیں نہیں۔“ جزل شاہد نے کہا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

رحمان صاحب نے پندرہ منٹ بڑی بے چینی سے گزارے۔ بالآخر جزل شاہد کی لمبی سی

سہنماں کیا تو اٹھنے والا خل ہوئی۔

جزل شاہد اکابر دنداز قدم اور قومی الیکٹریکی تھے۔ عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔

آنکھوں سے غیر معمولی ذہانت مترسخ تھی۔ دونوں ہے تکلف دوستوں کے سے انداز میں ملے اور

رحمان صاحب نے اگرین ٹھاکری کا تذکرہ بھیٹھ دیا۔ جزل شاہد کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا۔

جیسے وہاں پر زور دے رہے ہوں۔

پچھے دیر بعد انہوں نے کہا۔ ”تمہارا خیال تھیک ہے۔ گرین فائل پہلی جنگ عظیم کے دوران میں میں کیے گئے تھے اور ان کا سلسلہ ۱۹۲۵ء تک جاری رہا تھا اس کے بعد بعض انتظامی امور میں تبدیلیاں ہوئی تھیں اور گرین فائل سمیت بھی کسی دوسرے طریق کا میں مدد غم ہو گیا تھا۔ مگر شہرو! یہ گرین فائل کا تذکرہ کہاں سے تکلا؟“

رحمان صاحب کو کہڑے کی کہانی شروع سے دہرانی پڑی۔ پھر پہلو نزود اکاؤنٹر کر چھڑ گیا اور اس سلسلے میں رحمان صاحب نے کہپن فیاض کی گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

”پہلو نزود اکاؤنٹر ۱۹۲۰ء کے گرین فائل میں موجود ہے۔“

”اچھی بات ہے میں دیکھوں گا۔ اودہ تھہرو تو کیا تمہارا خیال ہے کہ ڈاکٹر داور کے ان غواصیں نہیں لوگوں کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔“

”امکنات ہیں!“

”میں چوبیس گھنٹوں سے پہلے ۱۹۲۰ء کے فائل کے متعلق پچھہ نہ بتا سکوں گا۔ یہی تجھبھٹ کام ہے۔“

”ایکس ٹوکون ہے؟“ رحمان صاحب پوچھ بیٹھے۔

”کیا مطلب؟“ جزل شاہد چوک پڑے۔

”بس یونہی پوچھ وہاں ہوں وہ۔“

”میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔ یہ سلطان کے محلے کا کوئی جانور ہے۔ اور شاید صرف وہی اس کی شخصیت سے واقف ہو۔ اس کے ماتحت زیادہ تر میرے محلے کے لوگ ہیں لیکن وہ بھی نہیں چانتے کہ ایکس ٹوکون ہے۔ کیوں ایکس ٹوکون کے متعلق تم کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟“

”یوں ہی پوچھتا تھا۔ بے تکاٹام ہے۔ جاسوسی نادلوں کا سا کوئی کردار معلوم ہوتا ہے۔“

”سر سلطان خبیلی ہیں۔ اچھا تھا۔ تو تھی خبیل۔ پہلے پہلو نزود اجھے جانا پچاہا معلوم ہوتا ہے۔“

عمران نے ڈکٹافون پر پہلے فیاض کی گفتگو سنی تھی اور پھر جزل شاہد کی۔۔۔ اس کے بعد وہ س مختصر سے تہہ خانے سے اوپر آگیا۔

رحمان صاحب کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ کرہ کتنے رازوی کام فتن ہے۔ عمران

سے آج تک نہیں معلوم کر سکے تھے کہ وہ کہڑے کی گرفتاری والی رات کمرے سے باہر کیے نکل سکا تھا۔ حالانکہ اب وہ اس کے پاگل پن کی اصلیت سے بھی آگاہ ہو چکے تھے۔ لیکن اس پر آج تک غور نہیں کیا تھا کہ پاگل پن کے دوران میں مختلف کروں میں کیوں ناچتا پھر تھا اور پھر اس کمرے میں کیوں دھرنادے بیٹھا تھا جو پہلے کبھی کوئی کے دوران قیام میں اس کا مستقل رہائشی کر رہا ہوا کرتا تھا۔

ئی سال پہلے کی بات تمی ایک بار رحمان صاحب خاندان سیست گرمیاں گزارنے پہلا پر چلے گئے تھے۔ عمران نے ملازموں کو بھی چھٹی دی اور کسی طرح شہر سے کچھ معمار پکڑ لایا۔ اس طرح اس کمرے میں وہ اپنی مرضی کے مطابق کچھ تبدیلیاں کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جن کا علم رحمان صاحب کو بھی نہ ہو سکا۔

اسی رات کو چور دروازے سے باہر نکلنے کا رادہ کر ہی رہا تھا کہ قفل میں کنجی گھمانے کی آوان آئی۔ دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھلا اور رحمان صاحب اندر داخل ہوئے۔

”بیٹھو بیٹھو!“ انہوں نے مضربرانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”اگر ذرہ برا بر بھی غیر سمجھیدے ہوئے تو تھپڑر سید کر دوں گا۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔“

”فرمائیے!“ عمران نے بڑی سعادت مندی ظاہر کی۔

”تم نے کبھی پھلوڑ دا کا نام سنائے؟“

”اس کی بہتری نظیں پڑھی بھی بھی ہیں....“

”پھلوڑ دا۔“ رحمان صاحب آنکھیں نکال کر غرائے۔ ”پھلوڑ دا نہیں۔“

”اوہ۔ ہا۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بڑا لیا۔ ”بھی ہاں پھلوڑ دا ۱۹۲۰ء کی جگ میں اس قیصر دیم کے خاص ایٹھی کی حیثیت سے ایک لمبا سفر کیا تھا۔ پھر اس نے جرمنی سے غداری کی اگریزوں سے آملاء۔ ۱۹۲۰ء تک اس کا نام بڑھتے زور دشوار کے ساتھ سنایا اس کے بعد اچانک غائب.... یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ ۱۹۲۰ء میں اس پر کیا حادث گذر ا تھا۔ بھر اور قیانوسر میں ڈوبنے والے فرانسیسی جہاز کے کتنے بھی بچائیے گئے تھے لیکن پھلوڑ دا۔ آج تک معلوم نہ ہے کہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ افواہ تمی کہ جہاز بھی خواہ کخواہ نہیں ڈوبتا تھا۔“

”جمیں یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں....؟“

”کنیو شس...؟“

”بگواں مت کرو...!“

”۱۹۲۰ء کا گرین فائل۔“

”خدا کی پنلو۔ تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو۔“

”بلڑی اٹلی جس کا ایک فائل نگ ستم جو ۱۹۲۵ء کے بعد فتحم کر دیا گیا تھا۔“

رحمن صاحب اسے متھرانہ انداز میں گھورتے رہے۔ عمران خود ہی بولا۔ ”پلو زرو دا کی بات

کیوں چیزی ہے آپ نے۔“

”میا تم اس کی کسی بیچان سے بھی ڈاافت ہو؟“

”مجھے اس کے ریکارڈ سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی اس لیے تفصیل میں جانے کی ضرورت

کیوں پیش آتی۔“

رحمن صاحب تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہے پھر بولا۔ ”وہ ان دونوں بہاں دیکھا جائے ہے۔“

”انوہ ہو گی۔“

”نہیں۔ جزل شاہد نے اس کے ریکارڈ کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ وہ پلو زرو دا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کا چھرہ دو حصوں میں تقسیم معلوم ہوتا ہے۔“

”اوہ۔ تو کیا آپ کو کہرے کی بات پر یقین آگیا ہے۔“ عمران مضمون انداز میں مسکرا یا۔

”یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ فیاض نے بھی اسے دیکھا ہے ایک ایسے موقع پر جب وہ دونوں آپس میں لڑپڑے تھے۔ کہرے نے اس کا نام لے کر گرین فائل کا حوالہ دیا تھا۔ اس طرح گرین فائل تک رسائی ہو سکی ورنہ کسی کو کیا علم ہوتا۔“

”عمران کی پیشانی پر غنیمین ابھر آئیں۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ میا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ بھی کہرے کا فرما ہو۔ ایک ایسا آدمی بھی بنا بیٹھا ہو جس کے سر ازاں رکھ کر خود الگ ہو سکے۔“

”میں اس کے امکانات پر بھی پہلے ہی غور کر چکا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس نے مسئلے پر بھی سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔“

”اے آپ نیا مسئلہ کہہ رہے ہیں تو آپ کے ذہن میں کوئی پرانا مسئلہ بھی ہو گا۔“

”کیوں؟ کیا وہ کبڑا۔“ رحمان صاحب اسے پھر گھورنے لگے۔ لیکن جملہ پورا کیے بغیر۔

”جی ہاں! میری دامت میں تو وہ بھی نیا ہی ہے پر انہیں تو صرف وہ آدمی تھا جسے ان لوگوں نے نکال لے جانا چاہا تھا۔“

”تم نے شبے ظاہر کیا تھا کہ ڈاکٹر داور کے اخواتیں ان ہی لوگوں کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔“

”جی ہاں اور شبہ بے بنیاد بھی نہیں ہو سکتا جب کہ کبڑے کے بارے میں ذاتی طور پر یہ

نظر یہ قائم کر چکا ہوں کہ وہ کسی جگ باز ملک کا الجھت ہے۔“

”چلو فی الحال تسلیم کیے لیتا ہوں۔ پھر؟“

”بڑی مصیبت ہے۔“ عمران مسمی کی صورت بنا کر بولے۔

”کیا؟“ رحمان صاحب غرائے۔

”وہ کبڑا بیرے لیے نئی دریافت نہیں ہے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”دو سال سے اس

پر نظر تھی۔ ادھر چھ ماہ سے نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے سوچا کسی طرف نکل گیا۔ لیکن جب آپ

کے قیدی کا قصہ اخھا تو اس کبڑے کی پوزیشن کسی حد تک واضح ہوئی لیکن وہ غائب تھا۔ لڑکی قتل

گردی گئی اور پھر کچھ ہتھی دن بعد کبڑا بھی نظر آیا۔“

”ہو گا۔“ رحمان صاحب براسامنہ بنا کر بولے۔ ”میں ڈاکٹر داور کی بات کر رہا تھا۔“

”چھٹے چھ ماہ سے پہلے کی بات ہے۔ میں نے اکثر اسے تجربہ گاہ کے آس پاس منڈلاتے دیکھا

تھا۔...“

رحمان صاحب کچھ نہ بولے۔ ... عمران او ٹکھنے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انسوں پر بیٹھے

بیٹھے ہی سو جائے گا۔ ٹکلیں آہستہ آہستہ جھکتیں اور وہ خود کو جھکولا دے کر سنبھل جاتا۔ آنکھیں

چھڑتا اور جھینپی ہوئے انداز میں مسکراتا۔

”آخر اس اخوات کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟“ رحمان صاحب متکرانہ لمحے میں بڑا رائے۔

”عقيقة۔“

”کیا؟“ رحمان صاحب گر جے۔ اور عمران بے ساختہ اچھل پڑا۔ بوکھلائے ہوئے انداز

میں آنکھیں چھڑیں اور پھر دنوں ہاتھوں سے منہ پشتا ہوا بول۔ ”میں نے کیا کہا تھا؟ لو۔ اوف

۔۔۔ یہ غنوگی خدا اسے غارت کرے۔“

”ہوش میں رہو!“

”کہم نہیں چلے گا۔“ عمران نے میلانہ اندھوں میں سر کو جھپٹ دی۔ ”بھر بے ہوش ہونا پڑے گا ورنہ شاید ڈاکٹر داور نے جو کچھ بھی معلوم کیا ہے اس کے متعلق میری اٹھی جس کو کوئی اطلاع نہیں دی۔ لیکن عالیہ انبیاء کسی سے میں شب ہے۔ اس لیے اخواکی ضرورت جیش آئی ورنہ خاتم بھی کوئی انکی بڑی بات نہیں تھی۔“

”لیا بک رہے ہو۔“

”ٹھیک ہے۔ اب مجھے اسی وحشت کے عالم میں گھر سے نکل جانے دیجئے۔“

”غالباً سب سور ہے ہوں گے۔“

”خدا کا بھر ہے کہ تم نے خود ہی تجویز پیش کر دی جتنی جلد ممکن ہو سکے وفع ہو چکا ہو رہا تھا ایسے نیگرو بد معاش مجھے کھال کر دے گا۔ خدا کی پناہ چچ بولٹیں ہو میرے۔ آخر تم اس کے اخراجات کہاں سے پورے کرتے ہو؟“

”شیخان دینا ہے۔“

”رحمان صاحب بر اسلامہ ہا کر رہ گئے۔ عمران اپنے کپڑے پھال رہا تھا۔

”یہ کیا حرکت ہے؟“

”جو زوف کہاں سور ہے؟“ عمران نے سوال کا جواب دینے کی بجائے پوچھا۔

”مکر اج میں؟“

”بس میں چلا۔“

کپاؤٹ میں اندر پیرا تھا عمران بے دھڑک باہر آگیا۔ کیوں نکل رحمان صاحب کو کتوں سے نفرت تھی۔ نہ ہوتی تو عمران اتنی آسانی سے اپنی اسکیوں میں کامیاب بھی نہ ہو سکتا کرے میں پھر درد ہوئے کی موجودگی بھی بے کار ثابت ہوتی۔ وہ گیران کی طرف جا رہا تھا۔



جو لیا تقریباً جاگ پڑی۔ عالیہ فون کی تھیں دیر سے پیغامی تھی۔ اس لیے چھپت کر ریسیور الٹیا گیکن وہ سری طرف سے تواریکی آواز سن کر جلا گئی۔

”یہ کیا بے ہودگی ہے؟“ وہ دانت نہیں کر دہڑی۔

”میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ تنویر بھی غالباً چیخائی تھا۔ ”کیا اب پولیس کو رنگ کروں۔“

”جہنم میں جاؤ۔“ جولیا جھلا کر سیور کریڈل پر جنپتی دلی تھی کہ تنویر بولا۔ ”یہ عمران...!“ کیا۔“

”عمران آدمی گھنے سے دروازہ پیٹ رہا ہے۔ کپڑے تار تار ہیں اور جوزف کو شش کر دیا ہے کہ اسے سمجھا جھا کر واپس لے جائے۔“

”اوہ۔“ جولیا کی آواز سے تھکن متربع تھی۔ ”پھر بتاؤ میں کیا کروں؟“

”کرو یا نہ کرو۔ میں اب باہر نکل کر سرست کروں گا۔“

”ٹھہرہ! اسکی حماقت بھی نہ کرنا۔“ جولیا جلدی سے بولی۔ ”جوزف جھینیں زدہ نہیں چھوڑے گا۔“

”اوہ.... کیا میں....!“

”ٹھہرہ تو یہ!“ جولیا نے زم لجھ میں کھل۔ ”میں آرہی ہوں۔ میرے جنپتے سے پہلے دروازہ نہ کھولنا۔“

”خیر آؤ۔“ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

میں منٹ بعد جولیا کی گاڑی تنویر کے بیٹلے کی کپڑا ٹھنڈیں واٹل ہوئی۔ ہیئت لیپس کی روشنی برآمدے میں پڑی تھی۔ عمران اور جوزف صاف نظر آرہے تھے۔ عمران دروازہ پیٹے چار ہاتھوں جوڑ بار بار گھکھیا رہا تھا۔ ”باس خدا کے لیے اب بس کرو۔ کہیں اس شریف آدمی کا ہادت فیلن نہ ہو جائے۔“

”ابے بس چپ بھی رہ۔“ تنویر اندر سے گرد۔ ”بیر تھارٹ فل ہو جائے گا۔ ہونہہ!“

”کیا بات ہے؟“ جولیا کی آواز پر وہ دونوں چوک کر مڑے۔

”فل.... لوکی!“ عمران پہلے تو ہکلایا اور پھر اچھل کر جوزف کی گردن سے جھوٹ گھوٹ۔

”بب۔ بچاؤ۔ پیدا۔ سماں۔.... خدا کے لیے مجھے اس لوکی سے بچاؤ!“

”باس ہوشی میں آؤ.... دیکھو یہ مس فٹزو اڑیں۔“

”سوڈا اور حرام ہے.... بھکاؤ اسے.... ڈار لنگ بلکی.... بھکاؤ.... قادر۔ قادر ہوں گی۔ قادر!“ وہ حلچ پھانے لگا۔

تیری بھی باہر آچا تھا۔ اب اس نے جو حرف پر بدستارش روایت کر دیا۔ ”لے جا کا سے بھائی سے ورنہ دونوں کو پاگل خانے بھجوادوں گا۔“

”مُحْبَرُو۔ خاموش رہو! میری سنو۔“ جو لیالیاں کے شابیں پرہا تھر کہ کریوں۔ ”مُحْبَرُ ہے کہ اسے اندر لے چنے کی کو شش کرو جو حرف تم مگی مدد کرو۔ درج کسی پریشانی میں جلا جاؤ جاؤ کے۔ اتنی رات گئے اس بھائی سے نے پولیس کو متوجہ کر لیا تو لینے کے دینے پر جائیدا کے۔“

بات حوزف کی بھی سمجھ میں آگئی اور وہ لوگ عمران کو اندر رکھیں گے۔

”چھوڑ۔ مجھے چھوڑ۔“ عمران زور زور سے ہاتھ گھماڑا رہا۔

یوقوت تمام دہ اسے ایک آرام کریں تک لا کئے لوار بھر جو لیالی کی تحریر پر اسے کری سے باز کر دیا گیا۔

”ہائے میں سمجھ گیا۔“ عمران روہا فی آواز میں کر لے۔ ”اب یہ لڑکی مجھے ایک بہتری خدا کیے گی اور اس کی سمجھی اسے مشورہ دے گی کہ خط پرپانی کی دوچار بوندیں بھی پیکا کر دیا تک مجھ سے خلک کر دو تاکہ سند رہے اور یوقوت ضرورت کام آئے۔ ہائے یہ۔ لڑکیاں مجھے اس قدر ہو کیوں سمجھتی ہیں۔ اسے بیا... میں دیکھ دیجتا ہوں اور جس تمی شادی کی فکر ہے۔ ہائے پھر تو بھائیوں کوئی بھاڑ۔ پولیس۔ پولیس!“

”بکواس بند کرو۔“ تیرنے اسے گھونس دکھانے

”لے سفر ہوش میں رہو! اس پاگل ہوں کے لیکن میں بالکل نیک تھا کہ ہوں۔“

”کیا بکلا ہے۔“

جوزف آنکھیں کھال کر اس کی طرف بھائی تھا کہ جو لیار میان میں آگئے۔

O

آج کیپھنی فیاضی بذات خود کبڑے کا تھا قبہ کر رہا تھا۔ پھر اپنے مقدور کو گالیاں کیوں نہ دلتا۔

تین کئنے گذر چکے تھے سڑکیں پاپتے لیکن کیوں تھا کہ کہیں رکنے کا نام یعنی لمبا تھا۔ خدا خدا اکر کے وہ ایک پار میں داخل ہوا اور فیاضی نے فوری طور پر شرابی پیٹھے کی کو شش کر دی۔ اسی معلوم ہونے کا جیسے پہلے بھی کہیں پیتا رہا ہو اور رکھ لیتے ہوئے ترکنے چلا آیا ہو۔ کئی یہزیں خالی تھیں۔

فیاضی نے کبڑے کے قریب ہی والی میرختی کی۔ کبڑے کی پشت اس کی طرف تھی۔

ویٹر کی شکل دیکھ کر فیاض نے آنکھیں اور نعلی بھالیں.... اور جھومتا ہوا بولا۔ ”مادینی لاؤ... قبیل....!

”بھی صاحب!“ ویٹر نے تحریر انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”مادینی.... یوانفر غلب بیسٹ!“

”صاحب.... مینوں میں نہیں ہے۔“

”مینوں کے پچھے.... میں سور کی دال اور چھاتیاں نہیں مانگ رہا۔“

”مئھر صاحب کو بلاوں صاحب!“

”مادینی.... مادینی.... جاہل کندہ تراش! شراب.... مادینی شراب۔ کیا تم فرانس کی
نہیں گئے ہائے جیس۔ میں مادینی کے علاوہ اور کچھ نہیں پیتا۔ اچھا ایک استیک لاو۔“ ویٹر کی جان
میں جان آئی اور وہ استیک لینے دوڑا گیا۔

لاہراب کبرے کی میز بھی خالی نہیں تھی۔ ایک خوبصورت یورپین لڑکی بھی تھی اور رم کی
بوتل بھی۔ رم غالباً خالص ہی جمل رعنی تھی کیونکہ اس پاس نہ تو سایہن ہی موجود تھا اور نہ سوڈے
کی بوتل۔ سروں اتنی چوکس نہیں تھی کہ فوری طور پر خالی بوتل ہٹا دیئے جانے کا امکان ہوتا۔
فیاض میز پر کہیں بیک کر آگے جمک آیا۔ ان دونوں کے مابین گنگوٹا اگریزی میں ہو رہی تھی
کبرا کہہ رہا تھا۔ ”مجھے تمہاری بام سے مشق ہے۔“

”بکواس مت کرو۔“ لڑکی کے لمحے میں جلاہٹ تھی۔

”اگر زندہ ہو تو میرا ایک پیغام اس تک ضرور پہنچا دیتا۔“

”میں انہوں جاہل گی۔ ہاں۔“ لڑکی نے دھمکی دی۔

”ارے نہیں ایسا بھی کیا۔ ہاں تو تمہاری بام....“

لڑکی نے زور سے میز پر ہاتھ مارا اور کہڑا جملہ پورا نہ کر سکا۔ خواہ خواہ ذات کاں دیئے اور
زبردستی پنستارہ۔ پھر لڑکی بھی اسے چانے پر آمادہ نظر آنے لگی۔

”یہ گھری اب زمین پر رکھ دو۔“ اس نے اس کے کوہوکی طرف اشارہ کیا۔

”ہوں!“ فیاض نے اس کی آواز میں غراہٹ سی حسوس کی۔ ”یہ گھری جس دن زمین پر
اتری پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح خلاء میں چکراتے پھریں گے۔“

جسور تم کسی پاگل خانے میں نظر آؤ گے۔ کیون؟ ”لوکی اس کے چہرے کے قریب انگلی پنچاکر نہیں۔
کبڑے نے جلا ہٹ میں اس کا ہاتھ جھک دیا۔

”مرائی۔“ لڑکی کا بھرپور رہا تھا اس کے گال پر پڑا۔
”ستیا۔ حرامز اور۔“ کبڑے نے اس کی کھوپڑی پر دو ہنڑ چلا دیا اور وہ اس طرح پچھے ہٹی کہ
کری سمیت الٹ عی جانا پڑا۔ بس پھر اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔
کبڑے پر چاروں طرف سے بیخار ہو گئی۔ ماروں ماروں کے سور میں لوگی کی ہستیاں جھینیں بھی
مغل رعنی تھیں۔ پور دھنہاں میں اندر میرا ہو گیا۔

فیاض کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اندر میرا... اور.... غمز پچاڑ
دینے والا شور... ہاتھپائی کی آوازیں... پتہ نہیں کتنے آدمی آپس میں الجھ پڑے تھے۔
”مو۔ تو کے پتھے سنبھل کر....“

”زبان... سنجال...“

”ترائق...“

”ہائیں۔ ہائیں....“

کیپن فیاض نے اٹھنا چاہا۔ لیکن دوسرا ہی لمحے میں سر پر قیامت نہیں۔ بے خبری میں چھیتے
وہی سوئی بھی بعض اوقات نیزے کی انی معلوم ہوتی ہے پھر فیاض کو اپنا سر پائی پاؤش ہوتا کیوں نہ
محسوس ہوتا۔ کوئی خاصی ورنی چیز اپنا کام کر رعنی گئی تھی۔

فیاض پکڑا کر کری سمیت گرا اور اندر میروں میں گم ہو گیا۔ لیکن اس عالم میں بھی وہ سوچ
رہا تھا کہ محض اتفاق ہو سکتا ہے یاد یہ وانتہ اس پر حملہ ہوا ہے۔ واقعہ اندر میرے کا تھا اس لیے کسی
کے خلاف کوئی کادر وائی بھی نہیں کی جاسکتی۔ فیاض بڑی خاموشی سے ہے ہوش ہو گیا۔ وہ کسی
بہت ہی معمولی آدمی کے روپ میں کیڈسے کے پیچے لا کھل۔



”اچھا تو پھر کیا ہو۔“ خاور نے غمز پر اندھر میں پوچھا۔
جو لیاضے کی زینوں کی وجہ سے سمجھ لفڑا ادا کرنے سے قاصر تھی۔ سید دھونگی کی طرح جل
رہا تھا۔ بدقت تمام وہ بولی۔ ”تزویر۔ خدا اس سے پچھے۔ میں نے عمر ان کو اس کی مگر انی میں دے کر

غلطی کی نتیجی۔ کاش کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ ہی لائی ہوتی۔“

”کیوں؟ کیا بہرائی آواز میں یوں؟“

”نہیں۔“ جو لیا بھرائی ہوئی آواز میں یوں۔ ”ہم نے اسے کری سے جکڑ دیا تھا۔ لیکن وہ رات میں کسی وقت نکل بھاگنے میں کا صیاب ہو گیا۔“

”اچھا جو زف کہاں ہے؟“

”اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوا کا کہ عمران کب نکل گیا اور تجویر کا بیان ہے کہ وہ خود ساری رات گھری نیند سو ترا تھا۔“

”یہ ناممکن ہے!“ خاور کا لبھ پر تشویش کن تحد۔ ”مگر تو یونے اسے نکل بھاگنے میں مددوی ہو گی تو.... نہیں یہ بھی قرین قیاس نہیں۔“

”تم نہیں سمجھتے۔ مجھے سے زبردست غلطی ہوئی۔ وہ عمران کا شمن ہے۔ خطرناک ترین دشمن۔“

”اوہ سمجھا۔“ خاور نہیں پڑا۔ ”تم ہی بہتر سمجھ سکتی ہو۔“

جو لیا پھر کسی سوچ میں گم ہو گئی۔ کچھ دیر بعد یوں۔ ”اگر میں جوزف کو اشارہ بھی کر دوں تو وہ تجویر کی بوئیاں اڑادے گا۔“

”ابسا وہ کہاں ہے؟“

”غیرے ساتھ۔ بھگ میں نہیں آتا کہ اسے کیتنے سمجھاؤ۔ مجھ پھوٹ پھوٹ کر پچوں کی طرح رو رہا تھا۔ بالکل پچوں ہی کے سے انداز میں اس کے متعلق سوالات کرتا ہے۔“

وفضا فون کی حکمتی بھی اور جو لیا نے جھیٹ کر دیسیور اخالیک دوسری طرف سے ایکس نو کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

”لیں سر!“ جو لیا نے ماڈ تھے پیں میں کھل۔

”تم لوگ عمران سے قطعی دور رہو۔ اگر کہیں دکھانی بھی دے تو نظر منداز کرو۔“

”م..... مگر..... کیوں جتاب؟“

”کواس کرو گی؟“ ایکس ٹو غریل۔ ”تمہیں جرات کیتے ہوتے ہیے۔ مجھے سے کسی حکم کی وجہ پوچھنے کی؟“

”سم..... معافی چاہتی ہوں جتاب!“ جو لیا نے بوکھا کر کر کھا۔

”سخوا!“ ایکس اور نئے سپاٹ آواز میں کہا۔ ”سن روڈ پر رنگ کے ساتھ ایک شراب خانہ ہے۔“

وہاں اس وقت کیٹھنیں فیاض فرش پر بے ہوش پڑا نظر آئے گے۔ کھمی زمگ کے ٹکڑتے ہوٹ میں ہے اور نعلیٰ حونچیں لگا رکھی ہیں۔ اسکے زادہ کو فون کرو کہ اسے اٹھا لے جائے لگتاں کال۔ یاد رکھنا نہیں۔“

سلسلہ منقطع ہو گیا اور جو لیا جھٹائے ہوئے اندھا از میں دلیلیور پٹخ کر خاور کی طرف ہڑی دی گیا بات ہے؟“ خاور مسکرا یا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ کال ان کے چیف آفسر کی رعی ہو گی۔“ پتہ نہیں! اس جانور سے کب اور کس طرح یچھا چھوٹا گا۔“

”کیا کہہ رہا تھا؟“

”محض ان سے دوڑ رہو! اگر کہیں دلکھائی بھی دے جائے تو نظر اندھا کرو۔“

”میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ اس کلپاگل پن مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔“

”کیا مطلب....؟“

”وہ ایکس ٹوہی کی کسی اسکیم کے تحت پاگل ہا ہو گا۔“

”جسیں تعینی نہیں کر سکتی۔“

”چھڑو!“ عمران سے دوڑ رہنے کا مشورہ کیوں دیتے رہا ہے۔ ”اسی طرزِ صدر سے بھی دور رہنے کا مشورہ دیا تھا کوئی وجہ تو ہوئی چاہئے۔“

جو لیا کسی سوچ میں پڑ گئی۔ اتنے میں خاور کسی آواز پر چوڑا ہوا اسی طرف کاں لگا دیکھ بول۔ ”یہ... کون ہے؟ کیا ہیں مدارت میں۔“

”جوزف شاید دوڑ رہا ہے!“ جو لیا لوٹ خاور پن چاہ لیکن جو لیا بھوڑ سمجھی، ٹوہی۔ سنجیدگی فغم آکو دھتی۔

”اویبا۔ تو آخر تمہار کے لیے اب تی پریشان کیوں ہو؟“

”کہو اسی ملت کرو۔ مجھے تمہاری ہمدردیوں کی ضرورت نہیں۔“

اس جھڑکی کے پیارے وجود بھی خاور ہستا ہی رہا۔ وہ سمجھ جو لیا کا اخراج کرتے تھے۔ اس حد تک کہ اس کی جھڑکیاں بھی انہیں گران نہیں گز دیتی تھیں۔

خاور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر ڈسک ہوئی۔

”اچھو!“ جو لیا لے کر اور جوزف سلڑا ہتا ہو اندھرے داصل ہوا۔

”مجھے جانے دو.. مسی!“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں بس کو تلاش کریں گوں گا۔“
”اچھی بات ہے!“ جولیا نے شنڈی سانس لی۔ ”جاو۔ لیکن مجھے فور آئی اطلاع دینا اگر کہیں
دکھائی دے جائے۔“

”میں انہیں زبردستی اٹھا کر بیٹھیں لاوں گا مسی۔ باپ کے گمراہ نہیں لے جاؤں گا۔ ایسا بھی کہا
کہجوس باپ؟“

”میں مطلوب؟“ خاور اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”رحمن صاحب تو بڑے شاہ خرچ آدمی ہیں تم
انہیں کہجوس کیوں کہتے ہو؟“

”کہجوس کیوں کہتا ہوں۔“ جوزف آنکھیں نھیں کھل کر غفرانیا۔ ”جو ان پیٹاگل ہو گیا ہے کچھ دن
علاج کیا... ڈاکٹر پر ڈاکٹر آئے.... مگر اب انہیں بالکل پرواہ نہیں ہے اب وہ بس پر ایک پانی
بھی نہیں صرف کر سکتے۔“

”تمہارے بس نے انہیں کبھی سکھ نہیں دیا۔“

”تم پڑھے لکھے لوگوں سے میں بحث نہیں کر سکا۔ ایک دشی قوم سے تعلق رکھتا ہوں لیکن
میرا بیٹا... خواہ وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو بیشہ میرے بیٹے سے لگا رہے گا آسمانی باپ نے ہم
کہیں کہیں کوئی بیٹے سے لگا رکھا ہے۔ ہم جو دن رات اس کی نافرمانی کرتے ہیں کیا وہ جوزف کا ہیں نہیں
بھرتا... اس جوزف کا جو گوشت کھاتا ہے اور ہر وقت شراب میں ڈوبا رہتا ہے۔“

”اے جلال آدمی میں تجھ سے بحث نہیں کر سکا۔ مجھے معاف رکھ!“ خاور نے ہنس کر کہا۔
”ورسہ میرا باپ بھی سانپ بیٹن کر سر کندے کی جھلاؤں میں سر سراتا پھرے گا...“

”جولیا بھی مسکرا پڑی۔ لیکن جوزف کا چہرہ بالکل سپلت تھا۔ پچھے دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی
آواز میں کہا۔ ”میں جادہ ہوں مسی... خدا حافظ...“

”تمہاری چچہ بو تلیں بیہاں تیار ملا کریں گی۔“ جولیا نے کہا۔ ... جوزف خرید کچھ کہے بغیر
 دروازے کی جانب مڑ چکا تھا....!

O

زیر و نائینِ نامہ کا سفری سیٹ صدر کے پاس موجود تھا۔ لیکن اسے کبھی موقعِ ذمہ دکان
کے وہ اسے استعمال کر سکتا۔ آج کل وہ گرینڈ ہوٹ میں مقیم تھا۔ اخراجات کے لیے بے تحاشہ

رقوم ملتی تھی لیکن اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ رہا ہو گا کہ وہ رقوماں آتی کہاں سے ہیں۔ کون اس بحکم پہنچتا ہے... ایک آدم بار ایکس نو کی طرف بھی دھیان ضرور کیا تھا لیکن پھر سوچا کہ ایکس نو سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس حد تک اپنے ماحجموں کا خیال رکھے گا۔ نہیں کی مٹیاں اسے اپنی جیسوں میں ملتی تھیں... بھئے کے نیچے بستر پر ملتی تھیں۔ غرضیکہ اسے استعمال جاتا تھا کہ وہ عیش سے زندگی ببر کر سکتا۔!

لیکن زیر و پائین کا سیٹ استعمال کر کے ایکس نو سے رابطہ قائم کرنے میں کون حدرج ہو سکتا تھا...؟

کوئی شخص.... کوئی انجام آدمی.... جو ہر وقت اس کے آس پاس ہی موجود ہوتا ہے۔ وہ ویسر ہی سکی.... جو اکثر دستک دیے بغیر ہی اس کے کرے میں ٹھیس آتا تھا۔ اور پھر اس طرح گزگڑا کر معافی مانگتا تھا کہ سفاک ترین آدمی کی بیچ جاتا۔ صدر کو یقین تھا کہ کبھی کبھی کے آدمی ہر وقت اس کی گھر لئی کرتے ہیں۔ غالباً بھائی وجہ تھی کہ ایکس نو سے اسے اپنے آدمیوں سے دور ہی رہنے کی ہدایت ملتی تھی۔

کبھی کبھی ہمکہ دی گردی! صدر اس کے متعلق سوچتے ہو چتے اس طرح جلا جاتا کہ مخفیان غیر شوری طور پر سر کے بال جلانے لگتیں...!

اس وقت بھی وہ گرینڈ ہوٹل کے ڈائینک بال میں کبھی ہی کا منظر تھا۔

وہ آنحضرتی نظر آیا۔ لیکن اس انداز میں کہ صدر کی آنکھیں چند ہی گھنیں۔

ڈر سوت میں تھا.... بے دلخ تھیں.... اور ایک ٹھوٹ جو اس کے قد سے دو گنی خود روئی ہو گی۔ ٹھوٹ کا لباس بھی جیتی تھی جبکہ خاصاً لکھ تھا۔ لیکن کلاعے ہی کی طرح ہے ہمیں تھی۔ دلی پتی ہاڑ بھی.... دونوں کو ساتھ دیکھ کر ڈائینک بال کا ہر فرد متوجہ ہو گیا تھا۔ پہلے کبھی کوئی ایسا مسحکہ نہیں جو ڈاشایہ ہی کسی کی نظر سے گذر ہو۔

ٹھوٹ بڑی بے پرواہی سے مسکرا رہی تھی۔ کبھی ہی کی طرح اسے بھی غالباً اس کی پرواہ نہیں تھی کہ لوگ انہیں محفوظ کانہ انداز میں گھوڑہ رہے ہیں۔

و دونوں تیر کی طرح صدر کی میز کی جانب آئے۔ صدر ان دونوں ہر وقت میک اپ میں نظر آنے لگا تھا۔ وجہ محتول تھی اس نے ایک دن کیپٹن فیاض اور اس کے چند خاص ماحجموں کو بھی

کہرے کی گرفتاری کرنے کے لیے تھا۔ کیپٹن فیاض صدر کو عمران کے دوست کی حیثیت سے جانتا تھا۔ لہذا اسے کہرے کے ساتھ دیکھ کر کان ضرور کھڑے کرتا۔ لہذا اس نے سونپا کیوں نہ ہر وقت اسی میک اپ میں رہے جس میں پہلی بار کہرے سے ملاقات ہوئی تھی۔

”لو..... صلی گزیت بوائے“ کہرے نے بڑے مشقانہ انداز میں صدر سے مصافی کیا اور پھر عورت کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”لیڈی ہمگ... ماں! لائف۔“

”لو لا بینڈ... ماں! لیڈی...!“ صدر نے بڑے احترام سے معافی کیا۔

وہ بیٹھ گئے۔ کہا صدر کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلاطبے طارہ تھا اور لیڈی ہمگ احمقانہ انداز میں سر ہلاہلا کر مسکرا رہی تھی۔ بھی بھی دانت بھی نکل پڑتے گردے آواز.... آج ہم یہاں مدد خوں ہیں۔ کیا تم میرے سیدھی کے فرائض انجام دو گے؟“ کہرے نے صدر سے پوچھا۔

”لیں یور ایسرو ڈنس (Absuredness)۔“ صدر نے پہاڑھر کہ کر جھکا۔

”لکھ...! اگر تم پھر میک اپ میں کیوں نظر آنے لگے ہو؟“

”کیپٹن فیاض اور اس کے آدمی حضور کی گرفتاری فرمار ہے ہیں اور وہ مجھے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اصل صورت میں سامنے آؤں تو چجزی ادھیز کر رکھ دیں گے۔“

”ویری فائیں! مگر یہ کیپٹن فیاض کیا بلایے...! میں تو ہمیں جانتا۔“

”پولیس سر کار!“ صدر بائیں آنکھ دبا کر مسکرا یا۔

”تمہیں وہم ہو گیا ہے حقی۔“ کہا مسکرا یا۔ ”بھلا پولیس کو مجھ سے کیا سر و کار ہو سکتا ہے۔ میں تو اپنے وقت کا عظیم ترین اکاؤنٹنگ ہوں۔ اسی لیے ساری دنیا پر میری بادشاہت ہے۔ آج دیکھ لیماں لوگوں کو جنموا رئے مجھے یہاں مدد خو کیا ہے۔ پولیس بکواس ہے۔ پولیس سے کیا ہوتا ہے خواہ تجوہ اتنا بڑا عملہ رکھ کر مفت کی تجوہ ایں ہائی جاتی ہیں۔ قوم کا انتاسر مایہ یونہی برباد ہوتا ہے۔“

”وہ کیسے یور ایسرو ڈنس؟“

”سیدھی فری! اہم اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہیں۔ پھر بھی اس مسئلے کو مجھ سے کچھ سن لیں۔“

”اوے یور ایڈیو سن کریں!“

"لیڈی ہمگ سے کچھ دیر موسیات پر گفتگو کرو۔ میں ابھی آتا۔" کہتا ہوا بولا۔
چند لمحے بعد صدر نے اسے اپری منزل کے زینے طے کرتے ہوئے دیکھا اور پھر لیدی
ہمگ کی طرف چر کر بولا۔

"ہر نیسرڈ نس واقعی بہت عظیم ہیں۔"

حورت اب بے حد سمجھیدہ نظر آ رہی تھی۔ وہ چند لمحے صدر کو گھورتی رہی پھر بولی۔ "کیا تم
میرے شوہر کے مقام پر کچھ بتا سکو کے.....؟"

"میں نہیں سمجھا... یور لیڈی شپا" صدر نے تحریر انداز میں بلکہ جھپکا میں۔
"وہ کرتا کیا ہے.... کہاں غائب رہتا ہے۔ میں آج ہی ساجد گر سے آئی ہوں۔ تم نے کبھی
رانی ساجد گر کا نام سنائے؟"

"کیا؟" صدر تحریر انداز میں اچھل پڑو۔

"میں رانی ساجد گر ہوں۔"

"آپ.... یعنی کہ۔ آپ اور یہ ہمگ آپ کا شہر...."

"بد تحریر ہے جو" حورت نے تھیں جسے ہمیں کہا۔

"چھا جھرم! مگر میں آپ کو اپنے بیان کے محلن کیا بتا سکوں گا؟"

"وہ ساجد گر سے کہاں غائب ہو جاتا ہے؟"

"لوہو تو کیا استقل طور پر ساجد گر میں رہتے ہیں؟"

"بھر کہاں ہے گا؟ تم کسی بات کر رہے ہو؟"

"معافی چاہتا ہوں یور رہائی نس...!"

"اوہ.... اچھا خاوش رہو۔ وہ والہیں اور ہلہلہ۔"

اہمگ دا بسی کے لیے زینے طے کو رہا تھا کچھ دیر بعد وہ بھر اسی میز پر نظر آیا۔

"اب کتنی دیر ہے ذار لگ؟" حورت نے منظر بان انداز میں کہا۔ "تمہاری پارٹیں میری
کچھ میں نہیں آتیں...."

"یہ پارٹی میں نے نہیں دی سوکشی۔" ہمگ بولا۔ "تمہارے عہد ہیں برائی۔"

"کم لقی دیر انتظار کرنا پڑے گا؟"

”دیکھو سوئی! میں بتاؤں۔“ ہمگ نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”قصہ دوسرا ہے اگر تم خنا
نہ ہونے کا وعدہ کرو تو بتاؤں۔“

”کیا میں کبھی تم سے خنا بھی ہوئی ہوں۔“ عورت کے انداز میں بلاکی محبت پچھت پڑی تھی۔
”کبھی نہیں! لیکن میں تمہاری خلگی کے تصور سے کامپتائی رہتا ہوں۔“
عورت نے بڑے فخر یہ انداز میں صدر کی طرف دیکھا۔ سکرائی اور ہمگ سے بولی۔
”بیٹاؤنا کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں الجھن میں ہوں۔“

در اصل میں پارٹی میں شرکت نہیں کرنا چاہتا۔ اور پارٹی یہاں ہے بھی نہیں۔ پارٹی تو
ڈی لکس میں ہو گی خلیک سلاہے آٹھ پر اتم سیکرٹری کے ساتھ چلی جاؤ۔“
عورت نے بر اسلامہ بنایا لیکن کچھ بولی نہیں۔ صدر و ہمگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔
”مجھے توقع ہے کہ تم ہر لیڈی شپ کے وقار کا خیال رکھو گے!“
”دل و جان سے یور ایڈ سکرنسی!“ صدر نے بڑے لوب سے جواب دیا۔
”تم کیا کہتی ہو ڈارلٹک....؟“

”میں تو تم سے کبھی کسی بات کی وجہ بھی نہیں پوچھتی۔“ عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں
کہا۔ ”دیکھو نہیں نے تم سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ پولیس تمہاری گھر انی کیوں کر رہی ہے؟ اور یہ
تمہارا سیکرٹری تمہارا معنگل کیوں آتا ہے؟“

”کہرے وہ پولیس ہاہا۔“ وہ نہ پڑا اور دیر لیک باتفاقہ طور پر ہستارہا پھر بولا۔ ”پولیس والے
مجھے ایک پراسرار آدمی سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں اسکلروں کا شہنشاہ ہوں اور میرا سیکرٹری
مردود بھی سمجھتا ہے۔“

”آچھا؟“ رانی نے غصیلے لجھ میں کہا۔ ”کیا میں وزیر داخلہ کو فون کروں؟“
”مارور نہیں ڈارلٹک.... ہرگز نہیں۔ مجھے میری تفریق سے محروم نہ کرو۔ لطف آتا ہے
پولیس سے چھیڑ چھڑاں۔ کیوں سیکرٹری؟“

صدر نے بڑے عقیدت منداز انداز میں سر کو جبٹش دی وہ ابھی تک اس عورت کو نہیں
کچھ سکا تھا۔ رانی ساجد گھر خاصی مشہور عورت تھی۔ اکثر ”کارہائے خیر“ کے سلسلے میں اس کا نام
انجدات کی زیست بنارہتا تھا۔ لیکن یہ عورت.... اس ہمگ کی بیوی.... رانی ساجد گھر شاید کوئی

پچھی بھی یقین نہ کر سکے۔ اس نے موجا۔۔۔ دیکھا جائے گا۔

اس دوران میں عورت نے کبڑے سے کچھ کہا تھا اور کچھ انہیں پڑا تھا۔ کیا کہا تھا؟ صدر نہ سن سکا۔ وہ تو ان دونوں کے متعلق طرح طرح کے خیالات میں الہجا ہوا تھا۔

”آجھی بات ہے۔“ کبڑے نے کافی کی گمراہی دیکھتے ہوئے کہا۔ ”سو آٹھو سچ رہے ہیں اب تم لوگ ڈی گلس کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ سیکرٹری تھہارے ساتھ ہی بیٹھے گا۔“

”کسی کو اعتراض تو نہ ہو گا؟“ عورت نے پوچھا۔

”ہر گز نہیں! میری کسی بات پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوتا۔“ کبڑے نے لاپرواں سے شانوں کو چینش دی۔

صدر البحص میں جلا ہو گیا۔ کبڑے نے پھیلے ہاتھ سے فون پر ہدایت کردی تھی کہ وہ آٹھ بجے ڈنر سوت میں ملبوس ہلے۔ لیکن یہ دعوت...!

”اوہ....“ تم کیا سوچتے گے۔ کبڑے نے اسے ٹوکا۔ ”دیر نہ کرو جاؤ۔“

پھر جب وہ دونوں اشے تو صدر کا دل پاہ رہا تھا کہ کسی جانب نکل بھاگ کر گئے یہ عورت تو قد میں خود اس سے بھی کچھ نہیں ہوئی تھی۔

کریمہ کی کپڑوں میں ایک لمبی شامدار گاڑی ان کی محض نظر آئی۔ درا یور یا اورڈنی چک۔ اس نے بھوی شاٹھی سے ان کے لیے گاڑی کا دروازہ مکولا اور پھر گاڑی ڈی گلس کے لیے روانہ ہو گئی۔ رانی ساجد گرنے صدر کو پہنچتا تھا جیکیلی سیٹ پر سخایا تقد وہ خاموش رہا۔ البحص بڑی تھی جا رہی تھی.... اگر یہ بھی رانی ساجد گر ہی تھی تو پھر کبڑے کبڑے کی شخصیت کا ایک نیا پہلو سامنے آیا تھا۔ روشنیک اور حرمت انگیز پہلو۔

”کیا تم زیادہ تر خاموش ہی رہتے ہو سیکرٹری؟“ رانی ساجد گرنے خود ہی پہل کی۔

”نہ... نہیں تو... یورہائی فس... میں بڑی البحص میں ہوں۔“

”کیسی؟“

”میں ہلکیک وی گریٹ کو سنکی اور سخرا سمجھتا تھا۔ لیکن وہ تو وہ تھی گریٹ نکل۔“

”تم انہیں کب سے جانتے ہو؟“

”زیادہ دونوں سے نہیں۔ لیکن پھر بھی عسوں سی کرتا ہوں جیسے سالہا سال نے ان کی

طاazz مت میں ہوں۔“

”اوہ... اوہ! رانی نہیں پڑی۔“ تم سیرے بر قیب تو نہیں بن جاؤ گے؟“
”میں بہت پریشان بھی ہوں۔ یوں لیڈی شپ۔ آخر آپ کو اس کی پروپریٹیوں نہ ہوئی کہ
مسٹر ہمگ پویس کی گرفتاری میں ہیں۔“

”اوہ....“ وہ نہیں پڑی۔ ”ہمیں بلاستم ٹلریف ہے۔ اس کی سماں چیزیں تو مجھے پاگل بیارتی
ہیں اور میں اسے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے چاہنے لگتی ہوں۔“

”ان کا اصلی نام کیا ہے؟“ صندر نے پوچھا۔

”خدا جانے.... میں ہمگ دی گرفت کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی۔“

”اور یہ نام آپ کو مسٹر خیز بھی نہیں لگتا۔“

”مجھے اس کی ہر چیز سے پیار ہے....“ رانی نے محبت آمیز لمحہ میں کہا۔ ”میرا بیڈاگ۔“

”بیڈاگ؟....“

”ہاں۔ یہ ایک دکھ بھری کہانی ہے، کیا تم نے پہلے کبھی نہیں سنائے۔ رانی ساجد ہمگ ایک
بد نصیب عورت ہے۔“

”میں نے کبھی کچھ نہیں سنایا۔“

”میں تمہیں ضرور بتاؤں گی۔ ہمگ مجھے اپنا ہی جیسا باتا چاہتا ہے اور میں ہم بھی کوئی ہوں
ورنہ تم جیسے لوگ کا نہتے ہوئے میرے سامنے آیا کرتے تھے۔ ہمگ کہتا ہے کہ وہ کیڑے جو گندگی
میں پیدا ہوئے ہوں انہیں گندگی ہی سک مدد و درہتا چاہتے۔ اور ایسے کیڑوں میں کوئی بھی ایک
دوسرے سے بر تر نہیں ہوتا۔“

”لیکن وہ حضرت تو خود کو ساری دنیا سے بر تر کر سکتے ہیں۔“

”ٹیک ہے۔ وہ یقیناً بر تر ہے۔ میرا بیڈاگ! انهودہ عام آدمیوں کی طرح یہاں اور اور نہ عام
آدمیوں کی طرح مرے گا.... اوہ ختم کرو.... میں تمہیں اپنی کہانی سنانے جا رہی تھی۔ میرا قد
مسٹر خیز ہے.... تم بھی کافی لیے ترکے آدی ہو.... لیکن قد میں چھوٹے ہو جسم سے! تمہیں
حیرت ہو گی کہ تیرہ سال کی عمر تک میں اس قدر کو ہمچنہ مٹی تھی یعنی تیرہ سال کے بعد میرا اوپر جائی
میں اضافہ نہیں ہوا۔ میں جانتی تھی کہ اپنے حالات میں پوزیشن کے خواہشمند تو ہتھرے مل

جائیں گے لیکن ایسا آدمی جو مجھ سے محبت کر سکتے تھا یہ بھی نہ ملے۔ مجھے بے ہم ہوں۔ آج بھی لوگ مجھے دیکھ کر ہنستے ہیں اس طرح کہ ملے ان کی اس حرکت سے بے خبر ہوں۔ تب ہماریں کیا کرتی ہتا تو مجھے ایک ایسی سستی کی ٹلاش تھی جو صرف مجھ سے محبت کر سکے۔ میری دولت سے نہیں... کوئی نہ مل سکا۔ سو اسے اس بڑاگ کے نامے میں نے بھیں ہی سے پلا تھا۔ وہ کرتا تھا مجھ سے محبت۔ لیکن میں بے خبر تھی۔ میں نے کبھی اس کے لیے کوئی غیر معمولی جذب نہیں محسوس کیا تھا۔ ایک بار شدت سے بیمار پڑی۔ بڑاگ دن رات میرے پنک کے قریب جا رہتا۔ جانتے ہوا اس نے تین دن تک کچھ نہیں کھلایا اس وقت تک نہیں جب تک کہ میں پنک سے اٹھی جیں تھی۔ تب مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میرے لئے بھی ہمارا ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ پھر میں اس کے لیے پاکل ہو گئی۔ ایک لہماں کے لیے بھی جدا لئے شانق غزرتی۔ لیکن!“ رانی ساجد گھر کی آواز بھرا گئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا ہی ہے کہ یہ بے اختیار پر قابو پاسئے کی کوشش کر رہی ہو۔

”میرا بڑاگ... ایک رات اسے سانپ نے ڈس لیا۔ یقین کرد میں نے اس پر لاکھوں روپے صرف کر دیے تھے۔ لیکن... اسے چھاٹا گئی۔ دنیا تاریک ہو گئی میری نظروں میں!“ رانی ساجد گھر پہنچاں لئے گئی۔ ذرا سوچ کی موجودگی کی بھی پرداہ نہیں تھی اسے۔ کچھ دیر تک اسی طرح درودی رعنی پھر گھر میں ہوئی آواز میں بولی۔ ”ہمہ ہمگ مل گیا۔ پہ نہیں کہوں مجھے اس میں اپنے بڑاگ کی جملکیاں نظر آئیں۔ بعض اوقات تو ایسا لگتا جیسے ابھی ہلکی سی بیف کے ساتھ میرے ہدایا چاٹنے لگے گا۔۔۔ ممک...“ سچ کہتی ہوں وہ مجھے اتنا ہی چاہتا ہے جتنا میرا بڑاگ چاہتا تھا۔ پھر ہمگ کی محبت بھی بے غرض ہے۔ پانچ سال ہوئے ہمدردی شدی کو۔۔۔ لیکن اس نے آج تک میرا ایک پیرس اپنی ذات پر نہیں صرف کیا۔۔۔ وہ... خیارے ہمگ کاش میں اس سے پہلے بھی مر جاتی۔۔۔ کاش!“

وہ پھر روپڑی۔۔۔ صدر ہکا بکا بیٹھا سب کچھ سن رہا تھا۔ لیکن کیا وہ حقیقی حقیقت ہو گی۔۔۔ وہ خواب تو تمہیں دیکھ رہا تھا۔ ہمگ دی گھرست کی گرم سلاخ کی طرح اس کے ذمہن کی گمراہیوں میں اترتا جا رہا تھا۔ ہمگ دی گھرست جو رانی ساجد گھر کا چوتا شوہر تھا۔ ہمگ دی گھرست جو شہر میں کلمبوں کی زندگی بر کرتا تھا۔

ڈی لکس ہوٹل پہنچ کر تو صدر کی آنکھیں کھل گئیں۔ شہر کے کئی بہت بڑے سرمایہ دار رانی ساجد گر کی پیشوائی کو موجود تھے۔ انہوں نے ہمگ کی غیر حاضری پر بے حد افسوس ظاہر کیا۔ پھر طعام کے دوران میں صدر کو ایک انوکھی اطلاع ملی۔ سینہ داور بھائی یاور بھائی رانی ساجد گر سے کہہ رہا تھا۔ ”پرنس نہیں آئے مجھے بے حد افسوس ہے۔ کیا آپ برلن کرم جاری سفارش کر سکھیں گی ان سے؟“

”کیسی سفارش ہم نہیں سمجھے؟“ رانی یا ایڈی ہمگ نے پوچھا۔

”ہم چاہیے ہیں کہ وہ بھی کبھی ہمارے پیغاف اکاؤنٹنگس کو کوچ کر دیا کریں۔“

”اڑے تو وہ کچھ اس میں بھی دغل رکھتے ہیں۔“ رانی نے حرمت سے کہا۔

”بہت زیادہ یورہائی نہیں!“ دوسرا سرمایہ دار بولا۔ ”شاید ان کی کلر کا اکاؤنٹنگ ساری دنیا میں نہ رکھے۔“

”بڑی عجیب بات۔“ رانی خیریہ انداز میں نہیں۔ ”ہمیں توقعیں نہیں آتا۔...!“

O

کیپشن فیاض بڑی ابھن میں تھا۔ اس نے رحمان صاحب کو فون کیا کہ وہ ان سے ملتا چاہتا ہے۔ اجازت مل گئی تھی اور وہ اب اس وقت ان کی لا بہر بری میں بیٹھا دی رہے ان کے کان چاٹ رہا تھا۔

”مگر تمہارے سر پر چوت کیسے آئی تھی؟“ رحمان صاحب نے اس کی بیڈ بیڈ کھوپڑی کو گھوڑتے ہوئے کہا۔

”میں خود بھی نہیں سمجھ سکتا بتا۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ چوت اتفاقیہ نہیں تھی۔ دیدہ و دانتہ کسی نے کوئی وزنی چیز نہیں سر پر ماری تھی!“

رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے اور فیاض نے بے چینی سے پھلو بدلا۔ ایک معلوم ہو رہا تھا جیسے کہنے کی بات ابھی تک نہ کہہ سکا ہو۔ دفعتاً بولا۔ ”تب ایک حرمت انگیز خبر سنئے۔“

رحمان صاحب کی پیشائی پر سلوٹیں ابھر تی دکھائی دیں۔.... جیسے یہ انداز تماطلہ انہیں گران گذر ہو۔ بہر حال وہ بھی اس ”حرمت انگیز خبر“ کے خطر نظر آئے۔

”کبڑا... رانی ساجد گر کا شوہر ہے۔“

”کیا....؟“ رحمان صاحب بے ساختہ اچھل پڑتے

”یقین فرمائے جناب! اکل میں نے ان دونوں گوساتھ دیکھا تھا اگر بینڈھوٹل میں کٹرے کی شخصیت ہی بدھی ہوئی نظر آئی تھی۔ وہ ایرکنڈیشن لئکن میں آئے تھے گاڑی کے نمبر ساجد گھر اسٹیٹ کے تھے۔ ڈرائیور درودی میں تھا اور کبڑا کسی مغربی طبق کا معزول حکمران معلوم ہو رہا تھا۔

”الف لعلیٰ شارے ہو مجھے!“ رحمان صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”یقین فرمائے جناب! میں بڑے معزز گواہ پیش کر سکتا ہوں۔ کبڑا گرینڈ سے حرمت اگنیز طور پر غائب ہو گیا تھا اور رانی ایک سیکرٹری کے ساتھ ڈی لکس گئی تھی..... اور وہاں داور بھائی، سرو جاہت علی... اور خان بھادر آصف جاہ جیسے لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا تھا اور افسوس ظاہر کیا تھا کہ کٹرے نے انہیں شرف نہ بخشنا۔“

”تمہرو۔“ رحمان صاحب نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہد کسی کے نمبر ڈائل کیسے اور مذکوح میں ملے۔ ”سر و جاہت۔ ہاں۔ کہہ دور رحمان ہے ڈی۔ جی آف اٹلی چین۔“ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولے ”بیلو... وجاہت میں ہوں۔ رحمان۔ چھپلی رات تم لوگوں نے کے دوست دی تھی..... ادا..... اچھا..... مگر..... کبڑا... نام تباہ اس کا... کمال ہے.... ہمگ۔ یہ کیا نام ہوا خیر.... سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی ہمگ رانی ساجد گھر کا شوہر کیسے ہو سکتا ہے؟ (بلکا ساقہ تھہ) ہاں..... ہاں.... کیا کاؤ نہیں..... یار سکاں ہے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ میں رانی کو پہچانتا نہیں.... بس تم لوگوں کے ساتھ دیکھا تھا حرمت اگنیز طور پر بھی ہے۔ بھی کیا خیال ہے اس جوڑے کے متعلق؟“ رحمان صاحب نے پھر قہقهہ لگایا اور رسیور رکھ دیا۔ پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر فیاض کی طرف مڑتے۔

”تمہارا خیال تھیک تھا پھر اب کیا کرو گے۔“

”میری سمجھ میں تو نہیں آیا جناب۔“

”رحمان صاحب پھر کسی سوچ میں پڑ گئے... تھوڑی دیر بعد ٹھوپیں سانس لے کر کہد“ بھی اب توڈا کٹرہ داور کا سلسلہ در پیش ہے۔ اس کے لیے کیا کیا تم نے؟“

”لیپاہڑی مسلسل پولیس کی مگر انی میں ہے۔ ڈاکٹر کے نائبوں کو جھٹکی دے دی گئی ہے۔ عدالت میں اب کوئی بھی نہیں ہے۔ لیکن پوری عدالت چھان ڈالنے کے باوجود بھی کوئی لٹکی چجز

نہیں مل سکی جس سے مجرموں کی شخصیتوں پر روشنی پڑتی..... جو آدمی ہاتھ آیا ہے وہ بھی بنے کار عی ثابت ہو۔ درمیان کا آدمی ہے جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کوئی کام کیوں کرتا ہے اور کام لینے والا کون ہے۔“

”تمہیں یقین ہے کہ وہ جھوٹا نہیں۔“

”میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں جتاب!“

”پھلوزودا.... کا کیا رہا؟“

”کئی دنوں سے وہ بھی میرے آدمیوں کو نہیں دکھائی دیا۔“

”کہیں سے کوئی کڑی ملتی نہیں۔“ رحمان صاحب تشویش کن انداز میں بولے

O

عمران ساجد ہجر کی گلیوں کی خاک چھاندہاتا اور اس کی پرانی دوست اینگلوبرمیز لڑکی روشنی اسی دن گریدنیل میں ملازمت حاصل کرنیکی کوشش کر رہی تھی۔ رانی کو ایک لیڈی سکرٹری کی بھی ضرورت پیش آگئی تھی۔ روشنی نے عمران کے مشورے پر اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ خود بھی انترویو کے لیے جا پہنچی تھی۔ انٹرویو میں پرانی یعنی ہمگ بھی موجود تھا۔ غالباً لیڈی سکرٹری کی ضرورت اسے عی پیش آئی تھی۔

دونوں کی نظر انٹریو روشنی عی پر پڑی۔ بلیک زیر نے اس کی اطلاع عمران تک پہنچائی اور

عمران نے ایک نفرہ مستانہ بلند کیا۔

اس کے جسم سے چیقرے جھوول رہے تھے اور ہاتھ میں پانچوں ہمپن سگریٹ کا ایک ڈبہ تھا۔

پان اس بری طرح چھائے تھے کہ پیک باچھوں سے ٹکر رہی تھی۔

لیکن اب وہ پاگل کی بجائے ”مجذوب“ تھا۔ خود اس نے کوشش نہیں کی تھی کہ لوگ اسے مجذوب کریں۔ بس یونہی سمجھا جانے لگا۔ قصہ دراصل یہ تھا کہ وہ بحالت دیوار اگی چہرے پر حادث تو طاری کر نہیں سکتا تھا۔ لہذا اُنیں دن کے بڑے ہوئے شہوں میں خاصی نورانی صورت نکل آئی تھی۔ وہ حشت زدہ سی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے تھے۔

جد مر جاتا بھیڑ لگ جاتی۔ رحمان صاحب نے اخبارات میں اس کی تصاویر شائع کرائی تھیں

لیکن ان تصاویر سے اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ ”ٹھپ ٹاپ نوجوان“ یعنی مجذوب ہو گا۔ اسی لیے وہ

پھر اندھہ جا سکا۔ درستہ رحمان صاحب نے اپنے محبوط المحسوس بیٹھی بہت زور و شور سے کرائی تھی اور یہ سب کچھ بھی عمران علی کی ایجاد پر ہوا تھا۔ ایک سو بھی کبھی اسکم تھی۔ عمران خواہ کسی چکر میں رہا تو سن کن اس "عالم ہدود بیت" میں اسے بڑے محبت انگیز تجربات ہو رہے تھے اور ان تجربات کا نیچوڑیہ تھا کہ دنیا کی پھری آنبلادی عالم بنا داد کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی...."

مشق ہو گیا ہے..... دعا فرمائیے کہ کامیابی ہو۔ (شادی اور پھر اس کے بعد... اولاد) دعا فرمائیے کہ توکری مل جائے۔ بال پیچے بھوکے مر رہے ہیں۔ (یعنی بال پیچے زندگہ رہیں) ہمارا است اولاد کی طلب....!

ایک ہجرت اولاد کے لیے گزر گزاتی تھی۔

"میاں کتنا کہا تاہے؟" عمران نے پوچھا۔

"ایک سو بھیس روپے۔" جواب ملا۔

"مکثا خرج کر دیتی ہو...!"

"نہیں پورا پڑتا۔ میاں صاحب۔" ہجرت گزر گزا۔ "وہ پانچ اورہاں ہی ہو جاتے ہیں۔"

"اولاد کے لیے کہاں سے لاؤ گی؟"

"تمجی سوہ... گزر کر لیں گے کسی طرح... علی ترشی سے... اللہ پر اکرے گا۔"

"ہوں" عمران نے آنھیں نہ لیں۔ "ماچھدا جاؤ پہلے علی ترشی سے گزر کرنا سیکھ آؤ۔ ہمارا اولاد بھی ہوں گا۔ لذکر کی چوت پر ہماگو... حن اللہ...!"

سر شام وہ ایک سنجھے میں پڑ رہتا۔ دو تین دن تک توہاں کے قلندروں نے اس سے پوچھ چکھ دی کی.... لیکن آج کچھ رات گئے الجھی پڑے.... ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ وہاں لکھنے عینہ دینا چاہتے ہوں۔ کانے فضلو کی طرف سے تو پہلے بھی غیر ملکیں تھیں آج جب اس نے اس کی جیب میں اعشار یہ دوپائی کے آٹو یونک پتوول کی محلک دیکھی تھی تو اور زیادہ مختال ہو گیا تھا۔

فضلو اور اس کے گرد نظر آنیوالی بیکری دو یعنیوں کی تی زندگی بس کرتی تھی۔ دن بھر یہ لوگ پیشے چوکار کرتے.... لیکن سورج غروب ہوتے ہی ایسے پاچ و پہنچ بند نظر آتے جیسے ان کے لیے نور کا ترکا ہو۔

سرشام ہی عمران پر انی خانقاہ کے ایک گوشے میں پڑ رہا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ فضلو اور اس کے ساتھی اسے شہبے کی نظر وہی سے دیکھتے ہیں اور یہ خانقاہ قلندروں سے زیادہ جراحت پیش جھگروں کا مکن ہے۔ وہ چپ چاپ کان دبائے پڑا رہا اور پھر کچھ دیر بعد خرانی بھی شروع کر دیئے۔ غالباً یہ خرانی ہی اس جھٹکے کے لیے بہانہ بن گئے تھے۔

کانے فضلو نے ایک ٹھوکر رسید کی اور دہاڑا۔ ”او.... ملکے دوسروں کو بھی سونا ہے۔“

عمران ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔

”ابے سوتا ہے کہ سڑک کوٹھے والا بھن چلاتا ہے۔“ فضلو کا ایک ساتھی بولا۔

”ہمیں....“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔ ”بھاگو ورنہ نہیں بھرم کر دوں گا۔“

”اچھا ہے.....!“ فضلو نے ہاتھ گھماہی دیا! لیکن.... یہ کیا؟.... اس کے ساتھی تھیر کھڑے رہ گئے کیونکہ فضلو کا ہاتھ تو اس کے ساتھی ہی کے جبڑے پر پڑا تھا اور عمران اس سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر نظر آیا۔

فضلو آگ ہو گیا۔۔۔ شاید اپنے ساتھیوں میں تین مارخان کھلا تھا۔ اس بار اس نے عمران پر چلاگ فکائی۔۔۔ لیکن پھر حادثہ نہیں بلکہ سچھ منہ کی کھائی یعنی منہ کے بل نیچے آیا اس کے بعد تو بھی جھپٹتے تھے۔ یلگار ہوئی چاروں طرف سے اور عمران کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

وہ یہاں بے وجہ تو نہیں رہ پڑا تھا۔ اس وقت جو کچھ بھی ہو رہا تھا۔ عین اس کی توقعات اور خواہش کے مطابق ہو رہا تھا۔ یک بیک اس نے فضلو کو ایک زور دار ہاتھ رسید کر دیا اور فضلو سنبھلنے کی انتہائی کوشش کے باوجود بھی برآمدے کے نیچے جا پڑا۔۔۔ پھر اٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ کیسے بعد دیگرے تین ساتھی خود اسی پر آگئے۔ عمران کے ہاتھ غیر معمولی تیزی دکھار ہے تھے۔

وفتح فضلو حق پھاڑ کر دہاڑا۔ ”ہٹو۔ تم لوگ ہٹو سامنے سے۔“

اس نے پستول نکالی لیا تھا۔

”ارے ارسے استاد!“ اس کے ساتھی نے غالباً اجتبااج کیا۔

فضلو کی اکلوتی آنکھ سے گیا خون پکڑ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس نے اپنے ساتھی کی آواز سنی ہے۔ پلک جھپکائے بغیر عمران کو گھوڑے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھی بوکھلا کر اوہر اوہر ہٹ گئے۔ عمران وحشیانہ انداز میں قتیبہ لکارہا تھا۔

”خاموش....!“ اچاک فضلوہ ہزار

”ہستو... استو۔“ کمی کامنی ہوئی آوازیں پھر ابھریں۔ لیکن عمران کے قہقہے تواب بھی جاری تھے۔

ایک قاتر ہوا۔

”ارے.... ارے....!“ فضلو کے ساتھی مختبر باند انداز میں چیخ۔ مگر عمران کا قہقہہ... اس کی گونج تواب پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی۔ پہ در پے تین قاتر اور ہوتے... لیکن گولیاں سانحور دہ دیواری میں پیوست ہوئیں۔ عمران سگ آرٹ کا مظاہرہ کر رہا تھا۔... فضلو کے ساتھی بوکھلانے ہوئے انداز میں فضلو نی پر ٹوٹ پڑے۔ مقدمہ صرف یہ تھا کہ اس کے ہاتھ سے پتوں چھین لیں۔ فضلو نے بھی اس کے خلاف جدوجہد نہ کی۔ پہ آسانی پتوں اپنے ہاتھ سے نکل جانے دیا۔ اس کے چہرے پر بھی بوکھلاہٹ کے آہاہ تھے۔

عمران اسی طرح قہقہے کا ہا دیوار سے بالٹک پھر ایسے انداز میں اکڑوں بیٹھ گیا جیسے فرش کو ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اب وہ خاموش تھا۔ فضلو اور اس کے ساتھی ایک ایک کر کے کمک کئے۔

عمران گھنٹوں میں سرودیئے بیٹھا رہا۔ دھنباہائیں جاہب والی کوٹھری کا دروازہ چیچی لیا اور دیوار سے لگے ہوئے کیر و سین پیپ کی لو بڑ کرنے لگی۔

عمران دروازے کی چیچھہت پر چھا نہیں تھا۔ گھنٹوں سے سر اٹھا کر دیکھا سکت نہیں۔ ایک گول مٹول سی چیز آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کوئی آدمی گھنٹوں کے میں چلا ہوا اس کے قریب آ رہا تھا۔ وہ اس سے تقریباً چار فٹ کے فاصلے پر رکا اور دوز اونٹیٹھے کیا۔

یہ ہمک دی کریٹھ تھا....!

”سر کار...“ وہ کمی سانپ کی طرح ہمہ کاروں

عمران نے سر اٹھا لیکر آنکھیں انگردہ ہو رہی تھیں۔

”کیا ہے؟“ اس نے جلانے ہوئے لبھ میں پوچھا۔

”شہرت سن کر حاضر ہوا ہوں۔... عالی جاہ!“

”ہا۔ ایک عالی جاہ... دوسرے عالی جاہ سے مخاطب ہے۔ کیوں؟“ عمران کا لبجہ دشیاں تھا۔

”مجھے خدمت کامو قع دیجئے۔“

”بکواس بند کرو۔ میں پاگل ہوں.... مجذوب نہیں اس بستی کے لوگ مجھے اور نیلاہ پاگل کیے دے رہے ہیں۔ عقل کے اندو.... میں تمہیں اولادیں کہاں تک دون آٹھ آٹھ اشک ہو چکی ہیں۔“

”سرکار.... میں اولاد نہیں چاہتا۔ بلکہ یہ کہنے کو حاضر ہوا ہوں کہ اپنے باپ کا لیکھہ شنڈا رکھیے.... مجھے رحمان صاحب سے بے حد ہمدردی ہے۔“

”اوہ....!“ عمران نے ہونٹ سکوڑے پکھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”یہ نام میر اپنیجا نہیں چھوڑ سکتا۔ تم لوگ آخر مجھے میرے حال پر کہوں نہیں چھوڑ دیتے۔ میں اپنال دامن نہیں جاؤں گا۔“

”سرکار۔ مجھ سے نہیں چلتے گی یہ الٹی سید گی۔ میں آپ کو بیچاں چکا ہوں کی دن سے حضور کی تصویریں اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں۔“

”ہاں بہت اچھے۔ میرا خیال ہے کہ عبدال بھائی پھوکت بھائی نے ملیں محبت کی پہنچ شروع کر دی ہے۔ کچھ بہت جائے گی دیکھ لینا سری جان۔ بوس آفس بہت ہے۔ ڈاکٹر کیٹر ٹالان سے طو۔ آہا.... ذرا سیدھے تو کھڑے ہو جاؤ.... تم شاید کہرے ہو۔“

”میں کہا ہوں.... اور تم اندھے ہو کہ تمہیں اپنے گھر والوں کی پریلی نہیں دکھائی دیتی۔“

”سنویا دے!“ عمران اسے اس انداز میں گھوڑتا ہوا بولا چھے اس کی پلت سنی عنز ہو۔ ”اگر تھیک آف ہترے دیکھ کاچھ بہ اردو میں پیش کیا جائے تو تم اس کے لیے بہت مناسب رہو گے.... کیا خیال ہے؟“

”اچھا خیال ہے۔ میں اس پر غور کر دوں گا.... اندو.... چلو میرے ساتھ۔“

”کہاں چلوں؟“

”تمگھر اؤ نہیں! اس اپنال سے دور لے جاؤں گا جہاں سے تم نکل جاگے ہو۔“

”گزر کی جعلیں۔“ عمران نے شنڈی سائیں لی۔

”کھل گی۔ اب انھوں بھی۔“

برآمدے کے نیچے فضلو اور اس کے ساتھی پھر نظر آئے۔ کہرے نے فضلو کو آواز دی۔

”سرکار.... حاضر ہوں۔“ فضلو قریب آ کر گزرا یا۔

”ورولیش کو محل بیک پہنچانا ہے۔“
 ”گزو کی جلیبیاں...!“ عمران کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چالنے لگا مگر نزدی سے احتبا
 ہوا بولا۔ ”چھو... جلدی کرو۔ ورنہ اسٹوڈیو سے کال آجائے گی۔“
 فضلو یو کلا کر چکھے ہٹ گیا۔ لیکن عمران اب اسے اسی طرح دیکھ رہا تھا جیسے دو اس کے لئے
 اجنبی ہو۔

”تھوڑی جیچے ہٹا کم بختو۔“ یہیگ غریب ”مجھو... تھام دو... درولش کو...“ میں تم لوگوں
 کی حرکتی دیکھ رہا تھا۔ ابے او فضلو... خدا نے چاہا تو تیری دوسرا آنکھ بھی جاتی رہے گی۔“
 ”میں غلط سمجھا تھا سر کارا۔“ فضلو ہاتھ جوڑ کر گزو گریلڈ ”درولش کے بھی پاؤں پوتا ہوں۔“
 وہ سچ عمران کے قدموں پر آ رہا۔

O

روشی کی پریشانی بڑھتی چاڑھی تھی۔ لیکن اس میں اتنی ہستہ نہیں تھی کہ عمران بیک پہنچ
 سکت۔ سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔
 عمران پر خاصی مار پڑی تھی اور اس نے بخترے آدمیوں کو کافا بینجودا تھا۔ یہیگ بورلیڈی
 یہیگ دور کھڑے قیچیہ کا رہے تھا۔ مگر ڈاکٹروں کی ایک فون کرے میں داخل ہوئی تھی اور
 عمران کا طبعی سحابی شرمند ہوا تھا۔ طرح طرح کے آسلے استھان کئے گئے تھے۔
 اس کے بعد اسے ڈاکٹروں کی رائے بھی معلوم ہو گئی تھی۔ سچنی عمران سونپھری پاکیں تھاں
 ہدایت کی مچائش ہی نہیں تھی۔ یہیگ نے حد سلطکن نظر آنسے کا تھا۔
 پھر اسی رات روشنی کو صورت بھی دیکھ نظر آیا۔ لیشی یہیگ کے اصرار پر اسی نے اپنا
 میک اپ ختم کر دیا تھا۔ اسی میک اپ کے سلسلہ میں روشی نے ان دونوں کی گھنکو بھی سنی۔
 ”تم میک اپ میں کیوں رہتے ہو؟“ رانی نے پوچھا تھا۔
 ”میک اپ میں نہ ہوں تو ازریں میک بھی دشوار یوں میں پڑ جائیں۔“ کوئی نہ کہا۔
 ”نیک ہم آدمی نہیں ہوں۔“

یہیگ جانتا ہے کہ تم اچھے آدمی نہیں ہو۔“

”قطی جانتے ہیں یوہ ہائی لائیں!“

”ماں مجھے معلوم ہو سکتا کہ میرا ہمگ کس قسم کا آدمی ہے۔ وہ آج تک میری بھی میں نہیں آسکا۔“ رانی کا لہجہ دردناک تھا۔

پھر دوسری صبح روشنی نے دیکھا کہ ہمگ اپنے ہاتھوں سے عمران کا شیو بنا رہا ہے۔ اپنی ہی مگر انی میں اس نے اسے عسل بھی دلوالی۔ پھر تین گھنٹے کے اندر ہی اندر محل کے درزیوں نے اس کے لیے لباس تیار کئے۔

ایک بار پھر عمران آدمیت کے جائے میں نظر آیا۔ لیکن ہوش کی باتیں کہاں؟ وہ پھر فلم ڈائریکٹروں کے سے انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔

رانی ساجد گھرنے والے پھر کو روشنی کو اپنی خواب گاہ میں طلب کیا۔

”تم دار الحکومت ہی میں رہتی ہو نا؟“

”لیں یورہائی نس۔“

”اٹھیں جس یورہیو کے ڈائریکٹر جزل رحمان صاحب کو جانتی ہو؟“

”بھلا میں کیا جانوں گی اتنے بڑے آدمیوں کو۔“

”یہ پاکیں انہیں کا لڑا کا ہے۔“

”اچھا۔“ روشنی نے تحریر انداز میں آنکھیں چھاؤ دیں۔

”ہاں۔ لیکن ہمگ نے اچھا نہیں کیا۔ اسے خواہ تخلص پڑا والا۔ ہم کہتے ہیں آخر اسے یہاں لانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟“

روشنی کچھ نہ بولی۔ رانی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”یہاں اسے اس کے گمراہ پہنچادو گی ہمگ خود ہی لے جانا چاہتا ہے۔۔۔ لیکن ہم اسے پسند نہیں کرتے۔“

”مم۔ مگر۔۔۔ یورہائی نس۔۔۔“ روشنی ہکلائی۔

”کیوں؟“

”مجھے پاگلوں سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ یورہائی نس۔۔۔“

”نہیں۔ وہ خطرناک آدمی نہیں معلوم ہوتا۔“

”آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن۔ آپ مجھے زندہ نہ پائیں گی۔“ روشنی کی آواز خوف سے کاپ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بارٹ فل علی تو ہو جائے گا۔

پھر باتاں میں ہی گئی تھی کیونکہ رانی کو کسی ضرورت کی بنا پر خوب گاہ سے باہر نکلا پڑا تھا۔ پھر شام کو ہمگ اور لیڈی ہمگ کی گفتگو نئے کا اتفاق ہوا۔ وہ ایک الماری کے پیچے چھپ گئی تھی وہ تھیلے میں کسی کا گذر کہا؟

ہمگ کہہ رہا تھا۔ ”یہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔ اب مجھے اس کی پوری ہستی معلوم ہوئی ہے اس نے بہت بڑے بڑے کارنے انجام دیئے ہیں۔ لیکن اس کے متعلق پہلے ہی سے لوگوں کا خیال تھا کہ ایک شاید ایک دن پاگل ضرور ہو جائے گا۔ صحت مندی کے زمانے میں بھی کریک ہی سمجھا جاتا تھا۔“

”مگر تم خود اسے دھاں لے جانے پر کھل میسر ہو۔ میں اسے پسند نہیں کرنی ڈار انگ کو تم لوگوں کی خوشادیں کرتے پھر و... تم ساجد ہمگ کے راجہ ہو ڈیوست!“

”میں ڈائریکٹر جزل پر احسان جانا پاہتا ہوں کیونکہ ایک بار اس نے میرے مکاتبہ بہت برا برستا کیا تھا۔“

وڌاکرے میں گھنٹی کی آواز کو جھی۔ غالباً فون ہی کی گھنٹی تھی۔ روشنی نے ہمگ کی آواز سنی۔ ”پہلو... کون... اوه... کیا کہا... کیا بات ہے... اچھا نہ ہو... ان سے کہو کہ انتظار کریں۔“

پھر شاید اس نے رانی سے کہا تھا۔ ”ڈار انگ... وہ خود ہی یہاں آپنچا۔ شاید اسے اب علم ہوا ہے کہ میں تمہارا شوہر ہوں... وہ...!“

”کون؟“

”وہی میںی رحمان!“

”درے وہ یہاں کیسے پہنچا؟“

”تم سے ملتا چاہتا ہے... لاقات کے کمرے میں منتظر ہے۔“

”تم وہ مجھ سے کیا پوچھتے گئے میں کہتی ہوں۔ تم نے بہت برا کیا۔ آخر اس پاگل کو یہاں کیوں لائے تھے؟“

”پاگل کی بات نہ ہو گی ڈار انگ۔“ کہترے نے کہا۔ ”وہ دوسرا اقصد تھا۔ تم جانتی ہو تاکہ میں مختلط قلب کا مریض ہوں۔ جب مجھ پر اس مخوب سرمنی کے دوارے پڑتے ہیں تو میں تمہائی

خلاص کرنے لگتا ہوں۔ شہر میں کئی چھوٹے چھوٹے مکانات کوائے پر لے رکھے ہیں۔ وہیں اختلاج کے لیام تھا گذرا تھا ہوں ایک رات ایک آدمی میرے مکان میں زبردستی کسی نہیں آیا۔ بڑا خوفناک آدمی تھا۔ صورت دیکھو تو دل جاؤ۔ اس کا چہرہ دو حصوں میں تقسیم نظر آتا ہے اس نے مجھے ایک ستون سے پانچھ دیا پھر دو سفید قام غیر ملکی نظر آئے۔ انہوں نے کسی حرم کی ایک مشین نکالی اور اس پر کچھ بکواس کرتے رہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ٹرانسپلر تھا وہ اسی طرح متواتر کئی راتیں وہاں آئے۔... بھر ایک دن دیکھا کیا ہوں کہ مسٹر رحمان بھی بندھے پڑے آرہے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسا کیوں ہوا تھا۔ ان لوگوں نے مسٹر رحمان کی خاصی سرمت کی تھی اور مجھے بھی مارا گیا تھا۔ میری تو وہ درگست نبی تھی کہ کیا ہتاوں۔ بنیوش ہو گیا تھا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو چھت سے الٹا لٹکا ہوا تھا اور مسٹر رحمان کئے آدمی مجھ پر کوٹے بر سار ہے تھے۔

”بس کرو۔ بس کرو۔...“ رانی ہانپتی ہوئی بولی۔ خصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

”پھر مجھے معلوم ہوا کہ مجھے پریشان کرنے والے غیر ملکی جاؤں تھے۔ اور مجھ پر بھی شہر کیا

جارہا ہے کہ میں بھی ان ہی میں سے ہوں۔ اسکی پہلی ہوئی تھی میری۔“

”خاموش رہو!“ رانی جھپٹی۔ ”یہ رحمان بہاں سے نہ نہیں جاسکتا۔“

”ہرگز نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں۔...“

”تم بزدل ہو!“

”پر دل نہیں۔ میری سات پتوں میں کبھی کوئی شیر دل نہیں پیدا ہوا۔ رحمان کو اتر نہیں کرو۔... نہ صرف اتر نہیں کرو۔... بلکہ اس کے لئے کوئی بھی نہیں اس کے حوالے کر دو۔ البتہ اگر وہ میرے متعلق کوئی اللی سید ہی گفتگو کرے تو ضرور گرم ہو جانا۔... مگر اس حد تک بھی نہیں کہ وہ اپنی توہین محسوس کرے۔“

”میں تو تپڑا مار دوں گی۔“

”نہیں میری جان ایہ اگر زردوں کا زمانہ نہیں۔ تمہیں قوی حکومت کے ایک معنوی کاشیل سے بھی دینا پڑے گا۔“

”تم بھی چلو میرے ساتھ۔...“

”اُحق سہ بنوڑا رانگ اجھے دیکھ کر وہ چپ سادھے لے گا۔ میری عدم موجودگی ہی میں کھلے گا۔“

وہ تم اندھا کر سکو گی کہ وہ میرے بارے میں کیسے خیال تھا رکھتا ہے۔ سمجھیں؟

”اچھی بات ہے... میں جا رہی ہوں!“

O

رحمن صاحب اپنے دو سلے بڑی گارڈ سیستِ رانی ساجد گھر کے چھانٹانے میں رانی کی امد کے مختصر تھے۔

دھنلاکیک پارو دیوار و غر نے دھنلاکیک میں کھڑے ہو کر ہجک لکائی۔ ”ہوشیدا رانی صاحبہ محل سرا سے روشنہ ہو چکی ہیں۔“

رحمن صاحب کے بڑی گارڈ نے ہر اساحنے بٹلی... اور پھر پھر پھر پھر بندوں نے ہجک نے ”زورِ امداد“ فرمایا۔ رحمن صاحب کے بڑی گارڈ نے فوجی انداز میں سلاہی دیں اور رحمن صاحب صوفی سے اٹھ گئے۔

”قریب رکھئے؟“ بے جو زم لپھے ہی کہا کہا۔ ”میا آپ کو ساجز لائے کیا تھا یا کیا کیا اخراج میں بھی ہے؟“

”میں نہیں سمجھا اور رہائی نہ۔“

”اوہ تو ہم آپ کو چون تشریف لائیں ہیں؟“

”بیں پر نہیں ملائیں کوئی چیز تھی مگر لوک کے چھلن آپ نے کیا فرمایا تھا؟“

”آپ کے ساجز لائے ہوئے پاس ہیں۔“ رانی سکرائیک۔ ”ہم نے خبریات میں تصویر سمجھی تھی اور ہمیں یہ چوری تھی جو اخذ کیا جائیں اور یوں برہاد ہو جائیں۔“ میں آپ سے پوری تھدر دی سمجھ۔

”میں ٹھکر گزوں ہوں یا درہائی نہ۔“

”ساجز لائے بھی آئی رہے ہوں گے۔ آپ کی آمد کی معلوم تھی یہم نے حکم جلدی کیا تھا کہ ساجز لائے کو چھانٹانے میں پہنچا جائے۔“

”کس زبان سے ہجھیں ادا کروں... یا درہائی نہ۔“

ذوسرے عین لمحے میں عمران کرے میں داخل ہوا... لیکن رحمن صاحب پر نظر پہنچتے ہی

چیز نہیں... دعویوں باخنوں سے منہ چھپا لیا اور دیوار سے لٹک کر کاپٹے گا۔

رحمان صاحب سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے وہی انہوں کر عمران کی طرف بڑھی اور زم لجھ میں اس سے پوچھنے لگی کہ وہ اتنا ناکف کیوں ہے۔

”سُر سر کار... بچا لجھے! اخدا کے لیے مجھے اس ظالم ڈاکٹر سے بچا لجھے۔ میں اب اس کے اسپتال میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ مجھ پر رحم بھتھے۔ یہیں روک لجھے ورنہ مجھے خود کشی کرنی پڑے گی۔“

”آجھا تم خاموشی سے بیٹھ جاؤ!“ رانی نے اس کا شاند تسلیکتے ہوئے کہا۔ عمران بیٹھ تو گیا لیکن وہ اب بھی دوفوں ہاتھوں سے منہ چھپائے ہوئے تھا۔ یہ اپنی یادداشت کو بیٹھا ہے... یورہائی نس...“ رحمان صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”گھر کو اسپتال سمجھتا ہے اور مجھے ڈاکٹر؟“

”پھر وہی فریب کی باتیں۔“ عمران دوفوں ہاتھ جھٹک کر چیخا۔ ”میں ایسے اپھال میں نہیں رہتا جا تا جہاں مجھ پر مار پڑتی ہو۔ میرے چیزوں میں زنجیر ڈال دی جاتی ہو۔“

رحمان صاحب اس کی طرف دھیان دیئے بغیر رانی سے بولے۔ ”میں دنیا کا بد تصیب ترین آدمی ہوں۔ اسے فی الحال یہاں سے ہٹواد بیٹھے۔ یورہائی نس!“

رانی کے حکم پر دو باور دی ملازم عمران کو وہاں سے لے گئے۔ رانی اب بھی سوالیہ انداز میں رحمان صاحب کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

”ہوش مندی کے زمانے میں یہ میرے لیے اور زیادہ تکلیف دہ تھا۔ گھر میں بھی اس کے قدم نہیں ہے۔ بھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کیا۔ بعض پولیس آفیسر اپنے مفاد کے لیے اسے ہمیشہ مجھ سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ بلا کا طبلع اور ذہین تھا، بہت بڑے بڑے کیس میں اس نے دار الحکومت کی پولیس کا ہاتھ بٹایا تھا۔ نہ جانے کتنے اسی کی بدولت کہیں کے کہیں پہنچ گئے...“ کہیں بار جب میں نے اس کے پاگل ہو جانے کی خبر سنی تو میکی سمجھا کہ اس نے کسی قسم کا مکر پھیلایا ہے.... لیکن پھر جب بہت بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کے مرض کی تقدیق کر دی تو میں اسے گھر لے گیا تھا۔ قصہ دراصل بھی ہے کہ اس کے سر پر گھری چوٹ آئی تھی اور یہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ لیکن ہوش میں آنے پر اس نے ہوش مندی کی باتیں غہیں کی تھیں۔“

”جمارے ڈاکٹروں کی بھی بھی رائے ہے کہ شدید ترین اعصابی اختلال کی وجہ سے ذہنی

توازن برقرار نہیں رہا۔ کیوں کیا رہا ہے اس میں اگر یہ کچھ عرصہ ہمارے ساتھ قیام کرے۔
”دورہ فوازی ہے یورہائی نس.... بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“
”شکریہ....! رانی مسکرائی۔“

”اجازت ہو تو اب میں اصل محاطے کی طرف آؤں؟“

”غزوہ.... ضرور.... ہم دیر سے منتظر ہیں۔“

رحمن صاحب نے جیب سے کپڑے کی تصویر نکالی اور بولے۔ ”کیا یورہائی نس اس آدمی کو پہنچانی ہیں؟“

”کیوں؟“ رانی نے تحریر انداز میں لکھ جھپکائیں۔ ”کیوں نہیں! یہ میرے شوہر ہیں!“

”خدا کی پناہ۔“ رحمن صاحب مستظر بانہ انداز میں ہاتھ ملنے لگے۔

”آخریات کیا ہے....؟“

”میں نہیں سمجھ سکا کہ آخر وہ اس قسم کی زندگی کیوں بس رکھ رہے ہیں۔“

”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”دارالحکومت میں یہ حضرت ہمکاری کی گردگی کیوں بس رکھ رہے ہیں۔“ مہر کوں پر بنے ان کے پیچے تالیاں بجاتے پڑتے ہیں۔“

”تو کیا یہ جرم ہے مسٹر رحمن....؟“

”نہیں۔ حرم تو نہیں!“ رحمن صاحب اسے ٹوٹ لئے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

”لیکن یہ تو سوچنے یورہائی نس کیا یہ آپ کے شوہر کے مثیان شان ہے؟“

”اب ان کی افتاد طبع کو کیا کہا جائے۔“

”بھر ایک موقع پر وہ چند غیر علی جاسوسوں کے ساتھ پکڑے گئے تھے۔ بعض آفسروں نے اسیں پہنچانا لیکن مجھے لفظیں نہ آئیں کہ ان حضرت کا آپ سے بھی کسی قسم کا تعلق ہو گا۔“

”ہم آپ کے بے حد ملکور ہوں گے۔ ذی۔ جی صاحب اگر آپ ان کے خلاف کسی قسم کا ثبوت مہیا کر سکھیں۔“

”دیکھنے پڑھائی نس ایں اس لیے نہیں آئیں کہ آپ کو دھمکیوں سے مروب کرنے کی کوشش کروں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ آپ انہیں قابو میں رکھنے ورنہ آپ کی اسیست بدناام ہو جائے گی۔“

”شکریہ مسٹر رحمان! لیکن آپ مجھے مزید تشویش میں بھلا کر رہے ہیں۔ کیا آپ ثابت کر سکتے کہ ان کا تعلق غیر ملکی جاؤں سے ہے؟“

”میں نہیں اقطی نہیں امیرے فرشتے بھی نہ ثابت کر سکتے۔“

”بھر آپ نے اس کا حوالہ دیا ہی کیون...؟“

”کیا میں آپ کو حقیقت سے اگادہ کر چاہا!“

”میں ہمیں سے حد صد مہ پہنچا ہے مسٹر رحمان! ہم سن چکے ہیں کہ آپ لوگ کس بری طرح پیش آئے تھے۔“

”کاش مجھے پہلے سے علم ہوتا کہ وہ حضرت کون ہیں۔“

”اچھا تو اب سنبھلے۔ ہم انہیں مل کی معروفیات سے باز نہیں رکھ سکتے۔ لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ وہ صرف کسی قسم کا خبل ہے۔ وہ دوسروں کو اچاک تحریر کر دینے کے شائق ہیں۔“

”لیکن ہاتھ ہو گئی یورہائی نس اکلیف دعی کی محافی چاہتا ہوں اب اجازت دیجئے۔“

”یہ ناممکن ہے مسٹر رحمان۔ دوچار دن تو ہمیں میر باñی کا موقع دیجئے۔“

”ذرہ نوازی کا شکریہ یورہائی نس! بھر کبھی یہ سعادت حاصل کروں گا۔ آج کل ایک دن کے لیے بھی آفس چھوڑنا محال ہے....!“

”خیر آپ کی مرضی اصا جزو لے تو کچھ دن ہمارے ساتھ رہیں گے۔“

”عزت افروزان کا شکریہ....!“

O

ہمگ دی گردت پہلی بار کھانے کی میز پر دیکھا گیا درندہ دکھانا بیش تہماں کھاتا تھا.... لیکن خواب گاہ میں یا بھر کبھی بھی رانی بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ لیکن سرہ کرنے کے لئے کوئی ملازم کبھی نہ ہوتا۔ رانی معمولی حور توں کی طرح اس کی میز پر کھانا لاتا۔

لیکن آج وہ محل سرا کے ذائقہ بھل میں کھانا کھا رہے تھے۔ ملازموں نے پہلی بار کبڑے کو کھانا کھائے پر کھا تھا۔ عمران بھی میز پر موجود تھا رانی بڑے غلصانہ انداز میں اسے ڈشز پیش کر رہی تھی۔ میز پر صدر بھی تھا۔ لیکن روشنی کو اتنی زیادہ لفت نہیں مل سکی تھی کہ وہ بھی ان کے ساتھ نظر آتی۔

و فتحا بہگ نے ہاتھ روک کر پاورپی خانہ کے داروغہ سے کہد "میریم کی ماں!"

"تھی سرکار...." داروغہ بول کھلا گیا اور رانی مسکرانی۔

"میریم کی ماں!" بہگ زور سے میز پر ہاتھ ملا کر دہلاک کھانے سے پہلے اس نے ڈھروں وہ سکی چیز حاصل تھی۔ لہذا داروغہ کیوں نہ بول کھلاتا اکثر نئے کی حالت میں طاز موں کی پہنچی بھی کر دیتا تھا۔

"میریم دے ماں ملکی بول لاؤ۔" رانی نے اس سے کہد "میرا تم سے کوہہ پہنچا دے گا۔"

داروغہ تیزی سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کی واچی تک بہگ بر گنڈی دامن پیارہ بکھو دی رکھ دی جس نے سبز رنگ کی شراب پہنچ کی۔

"آؤ ماں.... آؤ!" بہگ کاس پر دونوں ہاتھ چھاتا ہوا بڑھ لیا۔ "تم مجھے تین حصہ سے بچائی ہو۔ اس لیے میں تمہارا بہت احترام کرتا ہوں۔"

بکھو دی بعد عمران نے بھی پاورپی خانہ کے داروغہ کو لکھا۔

"تھی سرکار....!"

"جلیل کے ابا!"

"مہمیں۔ سک سرکار....!" داروغہ ہکلایا۔

"بھائی سرکار....!" عمران خانے رانی سے کہد

"میں.... میں کیا سمجھاوں۔" رانی خس پڑیں "جلیل کے ابا۔ وہ کیا ہاتھ ہوئی ہے...."

"میں مسلمان ہوں!" عمران نے شہنشہ سانس لی۔ "میریم کی ماں میرے لیے ناخرم ہیں۔

لیکن جلیل کے ابا ضرور چلیں گے۔

"ضاحی فرمائیے سرکار۔" داروغہ بھی مسکلایا۔

"چوران لارادا....!" عمران نے گردن اکٹا کر کہد

"نہ دار، تھوڑا پہا....!"

"بھلا سے پاکی کون کہے گا۔ یورہائی تیں!" صدر نے رانی کی طرف جک کر آہستہ سے کہد

"وہ صرف یدداشت کھو بیٹھا ہے۔ پاکی نہیں!" رانی نے بر اسمانہ بھلایا۔

لپوہیدہ کی شراب فرائس میں مونا کھانے کے بعد ہاضم درست رکھنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

کچھ دیر بعد ہمگ بالکل ہی ڈاؤن ہو گیا۔ داروغہ سنجال نہ لیتا تو کرسی کے نیچے ہی نظر آتا.... آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں ہونٹ مل رہے تھے لیکن آوازندار...!

چارنوکروں نے اسے اٹھا کر خواب گاہ تک پہنچایا۔ رانی ساتھ آئی تھی۔ بہتر پر لٹا کر اس کا لباس تبدیل کر لیا... اور بالکل اسی انداز میں اس پر چادر ڈال کر تین چار تھپکیاں دیں جیسے کوئی آئتا ہوئی ماں اپنے شرپہنچے کو سلانے میں بالآخر کامیاب ہوتی گئی ہو۔

پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی اور دروازہ بند کر دیا۔

ہمگ کا جسم تقریباً دس منٹ تک بے حس و حرکت رہا۔ پھر وہ اس طرح اٹھ بیٹھا چیسے یو نہیں۔ شغل کے طور پر آنکھیں بند کیے ڈار ہا ہو۔ نہ تو آنکھوں میں نشے کے آثار تھے اور نہ چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔

اٹھ کر کمرہ اندر سے مقفل کیا اور پھر تیزی سے لباس تبدیل کرنے لگا۔ میز کی دراز سے ایک ریو اور نکال کر جیب میں ڈالا... پھر باسیں جانب والی دیوار کے قریب آ کھڑا ہوا... یک بیک ہلکی سی آواز ہوئی اور فرش میں تین یا چار سر لمع فٹ کی خلاء نظر آنے لگی۔

اس نے خلاء میں قدم رکھا اور تہہ خانے کے زینے طے کرتا چلا گیا۔ آہستہ آہستہ فرش کی خلاء بھی پر ہوتی جا رہی تھی۔ یہ ایک زمین دوز موڑ کی راج تھا۔ ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھے کر اس نے قریبی ستون پر کسی قسم کے میکنزیم کو حرکت دی۔ ہلکی سی گمراہی کے ساتھ سامنے والی دیوار دو حصوں میں تقسیم ہو کر دونوں اطراف میں ٹھکتی چلی گئی۔ اب سامنے اتنا کشادہ راستہ موجود تھا جس سے گاڑی بآسانی گذر سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد گاڑی ساجد نگر کے اس دیرانے میں نظر آئی۔ جہاں سے دن کو گذرتے ہوئے بھی ہوں آتا تھا۔ بڑا گھنا جنگل تھا۔ لیکن کبڑے نے تو بہر حال اپنے لیے راستہ بیٹایا تھا۔

یہ راستہ دار صل ایک پتھر لیلے سے گذرتا تھا ورنہ اس کے علاوہ اور کہیں سے بھی اس جنگل میں داخلہ ممکن ہی نہیں تھا۔ میلوں تک کروندے کی کائنے دار جہاڑیاں تھیں ایک لیے یہ کروندوں کا جنگل کھلاتا تھا۔

شیلا اتنا اوپرچا بھی نہیں تھا کہ اسے ناقابل گذر کہا جاسکے۔ اکثر اجنبی شکاری لیلے پر بھٹکنے تو جاتے تھے لیکن اپر پتھر وہی کائے دار جہاڑیوں کی مصیبت۔ یہ اور بات ہے کہ اپر کی جہاڑیاں انسانی

ہاتھوں ہی کی سر ہوں منت رہی ہوں... ایسا مسلم ہوتا تھا جیسے درلاشیں مٹی بھر کر جہاڑیاں لگائی گئی ہوں ورنہ اس پتھر پلے نیلے پر بزرے کا گذر کہاں...!
مگر کہاں کے کوئی جہاڑیوں سے کیا سروکار... اس نے قٹیلے کے دامن ہی میں راستہ بھلا تھا۔
بھیج کر دے گاڑی سے اڑا تھا اور ابھری ہوئی چین کے قریب رک کر غالباً بھر کی مکفرم ہی کو چھیڑا تھا اور چین آواز پیدا کیے بیٹھر اپنی جگہ سے کھکھلی تھی۔
لیکن بھر جیسے ہی گاڑی اس عادی داعل ہوئی تھی چین پھر اصلی حالت پر نظر آنے لگی تھی۔
گاڑی سرگم ہی میں چھوڑ دی گئی... اور ہمکم بخے اڑ کر پھول پڑے لگ۔ اس کے دامنے ہاتھ میں روپوں اور قہا اور پائیں ہاتھ میں ہارچ۔
نیچے والی سرگم سے گذر کر دے کھلے میں آگیا...!



عمران کے فرشتوں کو بھی ہلم نہ ہو سکا کہ اسے کب تکروڑ قارم کے زیر اڑ لایا گیا اور کب خواب گھو سے رواگی ہوئی۔ چار آدمی اسے اٹھائے ہوئے محل سرا سے باہر آجئے تھے۔ غالباً ان طراف کے پہرہ داروں کو بھی خواب اور اشیاء دی گئی تھیں جو ہر سے انہیں گذر رہا تھا۔ بہر حال عمران کو محل سرا سے نکال لانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔
بھر عمران کو ایک الجیے کرے میں ہوش آیا تھا جس کی دیواریں مٹی کی تھیں۔
”ہائے اب تیرا اپنیا!“ وہ در دناک لبجے میں یو یو یو۔ اس پاس کوئی بھی شوکھا نہ دیا۔
سانے ہی ایک طالبی میں چھوٹا سا کیر دستک لیپ روشن تھا لیکن اسے جو کرے کے لیے اس کی روشنی ہاکانی تھی۔

”تھاے کوئی ہے؟“ اس نے بھر ہاٹ کاٹی۔
”تم کہاں سے بول رہے ہو؟“ آجڑ آئی تو... مگر بہت دور کی مسلمون ہوتی تھی۔
”کافی ہوڑ سے!“ عمران نے جیج کر جواب دیا۔
تمیں بھر کھتا ہوں مجھے رہا کر دو اور سندھ پھٹکو سکی؟“ آجڑ دور ہی کی سمجھیں لٹک پڑھ لٹھ عمران کی سمجھی میں آ رہا تھا۔ وہ دروازے کے کی طرف بیٹھا کچھ وقت بھی صرف کی تھکن کام نہ بنا دار روازہ کافی مضبوط تھا....!

ایسی عمارت میں ہمگ دی گریٹ ایک مشین پر جمکا ہوا یہ دونوں آوازیں سن رہا تھا۔

عمران کی آواز۔ ”تمہاری آواز بڑی رسلی ہے! تم میوزک ڈائریکٹر تو نہیں ہو؟“

”اوہ خدا کے بندے اپنی شکل تو کھاتے میں نے کئی دن سے کسی آدمی کی ٹھیک نہیں دیکھی۔“

دوسری آواز۔

اور پھر وہ دونوں آوازیں کھٹکنے لگیں۔ مشین سے گھر گزرا ہٹ بلند ہو رہی تھی اور ہمگ کی پیشانی پر سلوٹس ابھرتی آرہی تھیں۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اب وہ خود بھی پا گلوں کی طرح

چینتا شروع کر دے گا۔ مشین کو اسی حال میں چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر نکلا۔

کچھ عجیب سی عمارت تھی..... ہر کمرہ کی بہت بڑے گنبد کا اندر وہی حصہ معلوم ہوتا تھا۔ لیکن یہ گنبد بڑے عجیب تھے یعنی کبھی مٹی سے بنائے گئے تھے۔

کبڑا ایک کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک قوی بیکل آدمی بڑی پھرتی اور مستحدی سے کسی حجم کی مشینوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ کبڑے کو دیکھ کر وہ خود بھی کسی مشین یعنی کی طرح درک گیا۔

”یہ کیا گزبہ پھیلار کی ہے تم نے؟“ کبڑا دہاز۔

قوی بیکل آدمی سے سس و حرکت کھڑا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی روح قبض کر لی گئی ہو۔

”بولا کیوں نہیں؟“ کبڑا پیر پیچ کر بولا۔

”میں یہاں کسی عورت کے بغیر نہیں رہ سکا۔“ اس نے بھرائی ہوئی آوازیں کہا۔

”عورت کے پیچے... تو آوازوں میں کیوں گزبہ کر رہا تھا۔“

”یہ میرا احتجاج تھا۔“ قوی بیکل آدمی نے کہا۔

وھنھنگ نے بندروں کے سے انداز میں چلا گئ لگائی اور اس کے دونوں ہدایے آدمی کے مدد پر پڑے۔ وہ چینتا ہوا دوسرا طرف الٹ گیا۔ ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا تھا۔

وہ بدقت انہ سکا لیکن کھڑے ہونے کی تاب شاید نہیں رکھتا تھا۔

”کیوں؟ البت کیا خیال ہے۔“ ہمگ نے تلخی ہنی کے ساتھ پوچھا۔

”م... میں تمہیں مار ڈالوں گا۔“ قوی بیکل آدمی نے جلا کر انہنے کی کوشش کی لیکن

ہمگ کی ٹھوکرا اس کی پیشانی پر پڑی۔ وہ پھر ڈیمپر ہو گیا۔

اب وہ فرش پر چلت پڑا یہ نبی سے یاتھی بیک رہا تھا۔ پھر فرایدی دیر میں ہے صد حرکت ہو گیا۔ غالباً بے ہوش ہو گیا تھا۔ کہنے نے دیوار سے لگے ہوئے سورج بورڈ کے ایک بیٹھ سونچ پر انکی رکھ دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک سہا ہوا سا آدمی اندر دا خل جوکہ

”میسے دیکھو....“ ہمہک نے بنے ہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔
”جی ہاں.... دیکھا ہوں جتاب۔“ ہمہک

”یہ عورت کے بیٹھ یہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ اب کو تو اسے دبادہ جنم لینے پر مجید کر دوں۔“
آنے والا ہوتی پر زبان پیسرا کر رہ گیا کچھ بولا نہیں۔ اس کا سینہ لوہہ کی دھونکی کی طرح
تل رہا تھا۔

”ماب قم کنڑوں کر دے گے.... ان مشینوں کو سمجھے....!“
”بہبہ بہت بہتر جتاب....!“
”میں سے یہاں سے اٹھوائے جاؤ.... اصلاح خانے میں رکھو۔ اب یہ کبھی مشینوں کے قریب
نہ آئنے پائے۔“

”بہت بہتر جتاب!“
”دیکھو!“ ہمہک نے مشینوں کی طرف یاتھ الخا کر کیا۔ ”میں چورہ اور چورہ نمبروں کی
آوازیں سننا چاہتا ہوں۔“
اور چورہ اس کرنے سے کل آیا۔

○
”عمران کی نظر بائیں جانب والے کوں سوراخ پر پڑی جس کا قدر چھوٹی سی ضرور درجا ہے۔
اوپر ایسی فرش سے تقریباً سات فٹ تھی۔ سوراخ کے چھپتے ایکہ و جندلا ہماچہ نظر آ رہا تھا۔
”عمران۔ عمران!“ سوراخ سے آواز آئی۔

”مٹلے سمجھے۔ پڑو یوسر دا ہر کیٹھر ندا۔“ عمران نے ہاٹ کیا۔ لیکن سحری سمجھے میں نہیں
آتا کہ کسی ایک اکابر کا شہر بھجو پر کیوں ہوتا ہے۔ سب سمجھے عمران ہی کہ کسی کا ہاتے ہیں۔ تمام برا
تو نہیں.... لیکن یہ نام سن کر نہ جانے کیوں ایسا عجوس ہوتا ہے جیسے کوئی پہلا آدمی گلوکیاں
چھانے کی کوشش کر رہا ہو۔“

”اوہ بیٹے بیٹے!“ سوراخ سے آواز آئی۔ ”و تم ابھی تک مجھ الدناغ نہیں ہو سکے۔ مگر پھر یہاں نظر آرہے ہو۔ تمہیں یہاں کون لا یا ہے؟“

”مجھے یاد نہیں۔“ عمران نے لادر دل سے شانوں کو جنبش دی۔

”اچھا تو پھر بتاؤ۔ میں تم تک کیسے پہنچوں۔“ سوراخ سے آواز آئی۔

”میں تمہیں جانتا تم کون ہو۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”پہنچاؤ بیٹے۔ میں داور ہوں۔“ اکثر داور۔ شی کا ذیہی۔“

”خدا کی پنپڑ یہ لوگ خواہ بخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کیوں کرتے ہیں۔ میں کیا جانوں تم کس شی کی بات کر رہے ہو۔“

”یا خدا ہم سب پر حرم کر اچھا سنواد دیکھو! تمہارے بیچے لوہے کی ایک سلاخ پڑی ہوئی ہے۔ اخاکر مجھے دے دو۔ میں اس سوراخ کو بڑھاؤں گا۔ شاید اسی طرح تم تک بھیج سکوں۔ یہ دیواریں مٹی کی ہیں۔“

عمران نے لوہے کی سلاخ اخماکر سوراخ کی جانب بڑھا دی۔ ایک ہاتھ لٹا لوار سلاخ کو کھینچتا ہوا پھر سوراخ میں غائب ہو گیا۔

O

کبڑا مشین پر جگا ہو ادونوں کی آوازیں سن رہا تھا اور اس کے ہوتوں پر خفیف تی مسکرہت تھی۔ کچھ دیر بعد اسکی آوازیں آنے لگیں جیسے کسی ٹھوس چیز پر ضر میں لگائی جا رہی ہوں۔

اس نے قریب رکھے ہوئے فون کار یسیور اخیا اور ایک بٹن دبا کر ماؤچھہ چیس میں کھل دیلو۔ سکشی سکس۔ سکشی سکس۔ میں ہوں تمہارا باب پ سور کے پچھے سوتے رہتے ہوادیکھو اب وہ کہاں ہے۔ ہاں ہاں نہیں دکھائی دیتا۔ لیکن اس وقت اسے دکھائی دیتا چاہئے۔ ہوشیدار ہوا!

ریسیور رکھ کر وہ پھر مشین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ضربات کی آوازیں اب بھی آر ری تھیں۔ ہاتھ تھی کوئی ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”پچھے نہیں۔ یہ مردود کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں نہیں یہاں کیوں لا پہنچا ہے.... عمران کا شتم ہوش مند ہوتے۔ میرے پچھے مجھے وہ دن آج بھی یاد آتے ہیں جب تم نے مجھے ذریوں لینڈ والوں سے بچالا تھا۔“

”اوہ بڑے میاں خدا کے لیے معاف رکھو!“ یہ عمران کی آواز تھی۔ ”میں بہت پریشان ہوں۔“

اس وقت واپس آگ سننے کے موڑ میں نہیں۔ جو بیکھنے پر دوڑ یو سر ڈاکٹر کیڑ نہیں یاد ہتا۔

”تم یہاں آنے سے پہلے کہاں تھے؟“ ڈاکٹر دا اور کی آواز۔

”دوسرے اپتھال ... اسے وہ ... وہ رانی صاحبہ!“ عمران نے زور دار قہقہہ لکھا۔ ”اس اپتھال کی ایک لینڈی ڈاکٹر صاحبہ“ تھرہائی نس ”کھلاتی ہیں ...“ وہ کیا پیدا اخلاقاب ہے۔ لوٹی جیسی عورت کے لیے ”ہرہائی نس“ سے بہتر خطاب کوئی دوسرا نہ ہو گا۔ اف فد کتنی بی بی تھی اہرہائی نس ... ہملا ... اور شہر ڈھائی بالشت کا ... بائے کاش سے جوڑا مجھ سے کو آئی بیٹھ کرے ...“ قلم پیش کروں کہ جلپانیوں کو بھی پیسٹ آجائے اور قلم کاتام رکھوں ”ڈیپڑہ متالے“ ... ہملا ...!

”یہاں سے یہاں تک کیسے لائے گئے تھے؟“

”یاد مت بیجا چانو۔“ عمران کی آواز۔ ”بال کی کھال کھنچتے ہو۔ میں نہیں جانتا کہ یہاں تک

کیسے پہنچا ہوں۔ ممکن ہے یہ خواب ہی ہو۔“

یک بیک باسیں جانب والی دیوار پر ایک سوچ بورڈ کا نخا سار خلبہ روشن ہو گیا ... ! کھڑا اس پر نظر پڑتے ہی اس طرح اچھا حقیقتے کری نے کاٹ کھلایا ہو۔ پھر وہ تجزی سے مشین پر جھکا اور اس کا سوچ آف کر کے دوسرا ہمن کردید۔ مشین سے قدموں کی آوازیں آنے لگتیں۔ عمران اور دا اور کی آوازیں غائب ہو جگی، تھیں۔ قدموں کی آوازیں تھم ٹکیں۔ پھر ایک آواز آئی جیسے کوئی درود ہے جو تمہیں بہت کے ساتھ کھلا ہو۔

”کیوں؟“ ایک آواز آئی۔ ”یہاں کیوں آئے؟“

”صبر کا پیٹا لبری ہو چکا ہے۔“ دوسری بھرائی ہو کی سی آواز۔

”کیوں۔ کیا ہوا ... ?“

”ظاہر ہے ہوش پڑا ہے اس خالی نبڑی بے وردی سے اس کے سر پھوکریں ملی ہیں۔“

”میں شش نما موش رہو۔ اس کے خلاف کمی جانے والی باتیں اس تک ضرور بھلی جاتیں ہیں۔“

”میکھ جائیں مجھے پرولہ نہیں ... !“

”بچھنے بنا۔“

”چار سال سے ہم نے آسان نہیں رکھا۔ ہم یہاں اپنی خوشی سے تو نہیں آئے تھے۔ رہ جانے پکارے گے تھے۔ اس قدر تھائی سے موت بہتر ہے۔ ظاہر نے اس سے کہا تھا کہ دو عورت کے

بغیر نہیں رہ سکتا۔

”پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“

”بغاوت! وہ بھائی تھا ہی تو تاہے۔ ہم دس ہیں۔“

”شاید وہ اس وقت بھی نہیں موجود ہے۔ لیکن کیا تم اسے ٹلاش کر سکو گے۔ آج بھک کوئی بھی نہیں معلوم کر سکا کہ وہ کہاں پیشتا ہے۔“

”اگر ہم کو شش کریں تو سب کو ہو سکتا ہے.... کیا بڑی بات ہے آذا بھی سے اس جگہ کی ٹلاش شروع کر دیں جہاں وہ آکر پیشتا ہے۔“

”میں پھر کہتا ہوں کہ خود دسے آگے نہ ڈالو گا۔“

”کوہ..... تو تم ہمارا ساتھ نہیں دو گے۔“

”نہیں..... لیکن ہمارے سے کیا مراد ہے کیا تمہارے علاوہ کسی اور کے وہیں میں بھی کیڑے کلبلائے ہیں.....!“

”ظاہر اب بھی بے ہوش ہے۔ تم غدری پر آندا ہو لیکن آٹھ آدمی بڑی طرح جلس رہے ہیں۔ اگر تم نے.... ساتھ نہ دیا تو....“

”ٹھہرو۔ مجھے سوچتے دو!“

”نہیں اسے بھی مل دالو۔“ کئی آوازیں۔

پھر مشین سے دھینگا مشتی اور شور کی آوازیں آتی رہیں۔

”مرے.... امرے ٹھہرو..... سنو! او..... مراء..... مراء..... اوہ..... دیکھو..... بب چھاؤ۔ پچاؤخ.... نہیں.... نہیں.... خرر..... خٹ!“

بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے مخالفت کرنے والے کا گاہک گھوٹ دیا گیا ہو۔

کبڑے نے چلا ہوٹ داتوں میں دبایا۔ آنکھیں حلقوں سے الی پر رہی تھیں۔

مشین سے پھر آواز آئی۔ ”چلواب اسے ٹلاش کریں.... دیپو سے کہو وہ کشڑوں روم میں موجود رہے۔ کیونکہ وہ خبیث اپنے لائے سے چودہ اور پندرہ نمبر کے قیدیوں کی گنگوشن رہا ہے۔

”کہنے اسے شہر نہ ہو جائے۔“

”ٹھیک ہے.... میں دیپو کو سمجھانے جا رہا ہوں۔“

آوازیں ختم ہو گئیں۔ کلے کے ہوتوں پر ایک زہری لیہی مسکراہٹ لرزوری تھی....!



اس عمارت کے دس بائشوں نے یہاں آنے کے بعد سے آج تک آہان نہیں دیکھا تھا۔
چار سال گزرے وہ ایک ایک گر کے یہاں لائے گئے تھے ان میں سے تیکہ تو اٹھی درجہ کے
انجیز تھے۔ ان کا ہم تھا پیامِ رسالت۔ کسی ہم معلوم جگہ سے آئے ہوئے پیغامات ہمگی تک پہنچاتے
تھے اور ہمگی کے پیغامات ایک مخصوص فری کو بھی پر کی وجہ سے کے لیے تحریر کرتے تھے۔
ہمگی سے بڑی طرح ناک تھے۔ اس کی ٹھیک دیکھتے ہی ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور یہ
حیثیت تھی کہ انہوں نے بھی اس عمارت میں وہ جگہ حلاش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی جہاں
پہنچ کر کبڑا ان پر حکومت کرنا تھا۔

لیکن آج... وہ بڑی طرح جملائے ہوئے تھے۔ ان پر خون سوار ٹھیک آئی۔ اگر کہا
ہامگی کی جاتا تو وہ اس کی بوڑھیں دامنوں سے نوچتے اسے گھیٹ کر مارنے اس وقت تک
گھینٹنے پہنچتے جب تک کہ اس کا دم عقائدہ ٹھیک جاتا۔

وہ ایک ایک دیوار ٹھوکتے چلتے ہو رہے تھے کہ شاید کہیں کسی ایسے چور دوڑاوسے کا سکھر میں
ہامگی کی جائے جس سے گز کر دے اس غمیث تک بھی سکھ۔
وہ تھیں انہوں نے گمراہیت کی سنی۔ اور اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ چھل ٹھیک دہیں رکنا پڑا
یہ ایک علامت تھی۔ کبڑا جب کوئی اعلان کرنا چاہتا تھا تو پوری عمارت اسی حرم کی آواز سے گونج
انٹھی تھی۔

”دوستو!“ کچھ دیر بعد آواز آئی۔ ”مجھے افسوس ہے کہ طاہر کو تمہاری سی سزا دینی پڑی۔ میں
نے تمہیں اکتو سمجھا ہے کہ میری آواز پر اپنی آواز بلند کرنے کی کوشش نہ کیا کرو۔ لیکن اکتو میں
میں سے کوئی نہ کوئی بہک ہی جاتا ہے۔ تمہاری مشکلات کے دن تم ہونے والے میں چھل مل کے
زیبیں اور باقی ہے۔ اس کے بعد تم ایک ترقی یافت ترین ملک کے شہری ہو گے۔“ ٹھیک ہوئے ہے۔
عہدے ملیں گے۔ رہنے کے لیے شاندار کوٹیاں ہوں گی اور خرچ کرنے کے لیے بیشتر دولت۔
میں نے سوچا ہے کہ اب ہم لوگ بھی ایک ساتھ ہی رہا کریں۔ مطلب یہ کہ تم لوگ توں
جن کر رہے ہی ہوں گی کم از کم رخصت میں ایک ہی پادر تم لوگوں میں مل بیٹھا کروں۔ یہاں آج

ہماری چلی میٹنگ ہو گی۔ تم سب کرہ نمبر تین میں میر انتقال کرو۔
ستانا چھا گیا۔ پھر کبزے کی آواز نہ سنائی دی۔

وہ سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے کچھ دیر بعد لیڈر نے کہا۔ ”چلو! اس سے بہتر
موقع شاید پھر کبھی ہاتھ نہ آئے۔ وہ غالباً نمبر تین کے آس پاس کہیں بیٹھتا ہو گا۔ ممکن ہے
ہمارے چھپتے تک وہ ہیں لے۔ ہاں دیکھو شہر! اور اسی جملے نے کریم خان بہت چالاک ہے۔ اگر اسے
ریو اور نکال لینے کا موقع مل گیا تو... ایک بھی زندہ نہ چھپے گا میں اسے پا توں میں الجھاؤں گا بھر
جیسے ہی داہماں تھا اپنے سر پر رکھوں تم لوگ ٹوٹ پڑنا۔“

وہ کرہ نمبر تین کے سامنے آئے۔ اس میں درود قدرے کی بجائے صرف ایک کلام ہوا درج تھا
اور تین اطراف میں چھوٹے چھوٹے روشن دان بھی تھے۔ جیسے ہی وہ اندر پ داخل ہو چکے ...
در پیچے کے لوپر سے لو ہے کی ایک سڑوی ہی چادر فرش تک سر ک آئی۔ وہ بوکلا کر ٹوٹے
ہمگ کا کان پھاڑ دینے والا قہقهہ کرے میں کوئی رہا تھا۔ وہ در پیچے پر چھا جانے والی چادر
پر گھریں مارنے لگے۔ لیکن بے سود... اس نے اپنی چکر سے جبکش بھی نہ کی۔

پھر کبزے کی آواز سنائی دی۔ ”احمق۔ انہوں نیہاں ایک ایسا مشینی نظام بھی موجود ہے جسے
صرف میں کنٹرول کرتا ہوں... ہاں... رائٹے اب تم مجھے پا توں میں الجھاؤ تاکہ یہ ساتوں
گھر سے موقع پا کر جلد کر سکیں۔ رکھو داہماں تھا سر پر... اور میری خواہش ہے کہ میاں بیٹھ کر رہا
رکھ لو۔ شروع ہو جاؤ شباباں...“

یک بیک وہ سب چھپتے لگے کیونکہ گیند نما کرے کا فرش بڑی تحریک سے نیچے دھنن گیا تھا۔
انہیں اتنا موقع بھی نہ مل سکا کہ روشنداں اُنہی کو پکڑ کر لفج جاتے۔
کھڑتے کے قسم تھے وہ برادر سن رہے تھے... اور خود بھی مغل چاڑا رہے تھے۔ کوئی گزگوارا
قاکوئی محاذیں لگکر رہا تھا اور کوئی بے تحاشا کا لیاں دے رہا تھا۔

فرش دھنستارہ لخت پر لخت ان کا خوف بڑھتا چاہا تھا۔ کیونکہ کرے کا قدر پتھر تک بڑھ رہا
تھا۔ فرش اور دیواروں کے درمیان ایک بڑی سی بڑائی خلاہ تھکیل پارہی تھی۔

پھر دھنار فرش خلاہ کی طرف جھکا چلا گیا۔ کھنکی کھنکی ہی جھیڈ کو نہیں... اور پانی میں گرنے
کے چکا کے... تیزی سے بینے والے زمین دوز جھنسے نے ذرا بھی سی دیر میں ان کے چیخڑے اڑا

دیئے ہوں گے۔

سوراخ اچھا ہو چکا تھا کہ ڈاکٹر داور عمران بکھر کتھے... عمران نے برا سامنہ مٹا کرہا تھا
الٹھا کے... اور ڈاکٹر داور کو بدھ آسانی تھے اپنے لیا اور پھر بولا۔ "یار یوڑھے ہونے کو آئے مگر
کو دتے پھر انے کی عادت نہ کئی... السلام علیکم...!"

"وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ!" داور صاحب نے پہنچتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور بکھر جینے ہوئے سے
نظر آنے لگے۔

"تو تم بھی آگوہ سے میرے خواہوں میں۔" عمران نے شفہی ساسی لی۔

"خدا کے لئے ہوش کی باتیں کرو جیئے!"

"یاد تر کتے بیس بدل کر آؤ کے میرے سائنسے۔" عمران نے برا سامنہ ہا کر کہا
"پروڈجیو سر ڈاکٹر یکٹر ہونے کا پتھر مطلب تو جیس کہ لوگ بیس بدل کر بیٹھا کتھے دوڑے آئیں
اور مر جووب کریں جھے اپنی ایکٹک سے... السلام علیکم...!"

داور صاحب نے شاید پھر و ملکم السلام کئے کے لئے ہونٹ کھولے تھے کہ خیال آگے دوڑ
انہوں نے تختی سے منہ بند کر لیا۔

و غیرہ تھرے میں گمراہ بھتھی کو جھی اور آواز آئی۔ "ڈاکٹر داور۔ اگر تم نے کل بکڑہ زبان نہ
کھوئی تو وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا۔ یہ آخری وارنگ ہے۔"

"تیرے باپ رے!" عمران بوكھلا کر اچھل پڑا۔ یہ آگوہ کمال سے آرہی ہے۔ بھوت...
بھوت... پچاؤ... پچاؤ!"

"خاصو شر ہو! مرجح تعالیٰ دی۔

"خوش تو... ہوں... رہ... رہ... رہ... رہ... رہ... رہ... رہ... رہ... رہ..." عمران کا چھا ہوا جھیٹی مٹی کی آواز
میں بولتا۔ داور صاحب خاصو شر کڑے چک ہو ٹوٹ پر زبان مجھر رہے تھے۔

"اوور... کیا تم سن نہیں، ہے ابیری بات کا جواب دو۔"

داور صاحب نے اور زیادہ تختی سے ہونٹ بھج لی۔

"مجھی بات ہے!" پھر آواز آئی۔ "کل اسی وقت ڈاکٹر داور... اپنی گمراہی اجمی طرح دیکھو!

سیری بات پھر کی لکیر ہوتی ہے۔ باعزت زندگی یا کتنے کی موت... کل تک فیصلہ کرو۔ شب تھیر۔ اداور صاحب پچھو دیر تک سکتے کی حالت میں رہے پھر جو تک کر عمر ان کی طرف مڑے جو ایک گوشے میں منہ پھپائے اکڑوں بیٹھا بری طرح کتاب پر رہا تھا۔
اداور صاحب نے اسے بدقت اٹھایا اور وہ دو توں کالوں میں اٹھایا شوئیں کر کی پکاتی ہوئی آواز میں لا انداز دینے لگا....!



آخری آدمی دیپے کنٹرول روم میں کمرا بڑی طرح کتاب پر رہا تھا اور ہمگ کی آواز کرے کی محدود فضائیں گونج رہی تھیں۔

"تمہارے ساتھی لے سفر پر روانہ ہو چکے ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ رہیں رہو۔ کیا سمجھے اطہر غالب اب میں بے ہوش ہو گا۔ اس کی تحدیواری کے فراغض بھی تم پر ہی آپزیں گے۔ خیر.... کسی نہ کسی طرح تم دونوں چشمہ گزار عیادو۔ اس کے بعد تمہیں اپنے وجود پر عین مشکل سے یقین آئے گا۔ خواب میں بھی ایسی زندگی کا ایک لمحہ کبھی نہ نصیب ہوا ہو گا.... اچھا شے تھا.... مختی آدمیوں کی کافی قدر کرتا ہوں۔"

پھر کھٹکی بھی.... جس کا مطلب یہ تھا کہ ہمگ اس مددت سے باہر چاکا ہے۔ دیپے نے مشینیں بند کر دیں اور دوڑتا ہوا اس کرے میں آیا جہاں باقی ساتھیوں نے میں تک کی تھی.... مگر وہاں کیا تھد

پھر وہ دیوانہ والہ چاروں طرف چکرا تا چکرا.... قتل گذر حسوں میں بن صرف تین آدمی دکھائی دیئے.... ایک تھا بے ہوش طاہر اور وہ دونوں قیدی جنمیں غالب کسی اسمیں کے تحت وہاں لایا گیا تھد دیپے ہا اس کے ساتھی مقید سے واقف نہیں تھے۔ اس نے طاہر کو ہوش میں لانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ لے سفر کا بیطلہ اس کی سمجھ میں بخوبی آیا تھا۔ اس کے ساتھی.... ہمیشہ کے لئے.... رخصت ہو چکے تھے۔
پچھو دیر تک اس پر ہر اس طاری ارہا۔ مگر یہک بیک جو نہیں کی حالت ہو گئی۔ خاموش بیٹھا کبھی دانت پیتا اور کبھی مکاہلا تھا۔

یہک اٹھا اور ان کردوں کی طرف جل پڑا جہاں دو توں قیدی رکھ کر گئے تھے۔ پہلے داور

صاحب عی کے کمرے میں قدم رکھا تھا وہاں دیوار میں ہر اساس سوراخ دیکھ کر ٹھہر کا دور پھر خود بھی اسی استھول پر نظر آیا جو سوراخ کے نیچے رکھا ہوا تھا جیسے عی اس نے سوراخ میں مجاہد دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”سلاما لیم“ اور وہ یونکھلا کر استھول سے گود پڑا۔

”امے سلام کا جواب تو دے دیا کرو“ دوسری طرف سے پھر آؤ اڑ آئی۔
لہ کہا۔ جس کا بھی جو داشتا ہے حاج جمال کجھ درستہ دو۔ بچکا انہیں کے قرب

三

”یا تم لوگ باہر جاناچاہتے ہو؟“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

عمر ان کچھ نہ بولا۔ لیکن ڈاکٹر اور نے کہا۔ ”کیوں... کیا بات ہے؟“

”میں بھی ایک قیدی ہی ہوں۔ تم یہاں کیوں لائے گئے تھے؟“

”میر، نہیں جانتا کہ کوئی مجھ سے کیا جاتا ہے؟“ ذاکر دا وروپ لے۔

”اچھا! اچھا! میں سمجھ گی ا تم تو ہی کپاے۔ بہترے آتے جاتے رہتے ہیں... دیکھو! اک تم

دوفونی میرے بڑ کرنے پر آئدہ ہو گلہ تو شاید تم سماں سے کھل سکتے۔

مختصر در مخروط و "ڈاکٹر داہر مختصر باتیں اخلاق میں بولے۔ دیو نے عمر ادا کیا۔ سے، کہا تو حم اپنے احتمالاتی اخلاق میں جلدی بلدی پلکیں جسکا کیا۔

”وہ لئے کاٹکر بنا کر دے۔“ دلور صاحب جلدی سے بولے ”تب نیک ہے۔“

نے احمد رضا کمیٹی کا طرف الامال کچھ درستے اس کے ساتھی غریب ہوئے تھے۔ مگر

۱۔ اک ایجاد کریں جس کا نتیجہ بنتے آنے والے لوگوں کا ایک ایکمہ کے مطابق آئریشن روم میں مشینوں سے

١٣٢

تھے کہ اسکے لیے اسکے ساتھ ملائیں۔ فرمائے گئے تھے کہ وہ نہیں ہے۔

۱۰۷ مکالمہ علیہ السلام

سے پریلی ہے۔ بیج پوری سے

—לְזַעַם “! כִּי וְ”

لشکر کے سچے شہم آئی، نظر آج اکاچ و میکا، کاہو اسکا کاہو اسکا

حکومت تسلیمان کا طلاق حکومت "مکالمہ اخراجی" حسین اور جنگ کی خروجی سے

”دُور ہو۔ مجھ سے دُور ہو۔“ طاہر دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر وہاڑا... بلو رڈ پیور ک رک گیا۔ طاہر پھر بولات ”میں فصلہ کرچکا ہوں... اب بھی ہو کر رہے گا۔ سب کچھ خاک میں ٹادوں گا۔ کیا وہ سور کا پچھہ ہم سے ہر ایک کے لیے ایک عورت بھی جیسا نہیں کر سکتا مجھے رہا چلتے انھیں کیا کتنا اور پھر اس مقبرے میں میری آنکھ کھلی تھی... اسی طرح عورتیں...“

”طاہر۔ طاہر...“ دیپو مختصر بانہ اندوز میں بولا۔ ”تم سب کچھ خاک میں کیسے ٹادو گے؟“ لیکن طاہر کوئی جواب دیئے بغیر ایک جانب ٹرک گیا۔ وہ آپریشن روڈ کی طرف جا رہا تھا۔ دیپو اس کے پیچے چھٹا۔ لیکن اب طاہر نے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

عمران بھی آگے بڑھا لیکن اتنی دیر میں وہ دونوں نظرودن سے او جمل ہو چکے تھے۔ طاہر آپریشن روڈ میں بھی کر ایک سورج بورڈ کے قریب رک گیا۔

”مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ اس نے کہا اور دیپو کا سر چکرا گیا۔ عمل جواب دے رہی تھی۔ ”کیا بک رہے ہو....؟“

”میں اس مقبرے کو تھا کرنے جا رہا ہوں... مختلف بیکھوں پر گلے ہوئے فائناں کا بیٹھا اس کے پر نجی ازادیں گے۔ میں نے بھی اس کا پتہ لکھا تھا۔ کہا بہت جلا کہ ہے اسے ہم پر اختار نہیں ہے۔ فرض کرو ہم اس کے خلاف ہو جائیں اور اس کے مقابلے ہوئے مخصوص میڑوں کے علاوہ کسی دوسرے میڑ پر پیغامات اڑانا شروع کر دیں تو....“

”ہاں ممکن ہے۔“

”لیکن ہم چاہے ہو جائیں گے۔ جیسے ہی ہم فری کو سنسی یا میڑ بدلیں گے۔ وہ سارے ڈائیکٹ پٹ جائیں گے اور ہمارا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے... ہرگز نہیں!“ دیپو حل بھیڑتا ہوا اس کی طرف جھینا دنوں پٹ پڑے... طاہر اس کی گرفت سے آزاد ہو کر ایک ٹرانسہئر کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور دو قوں ہی حل پڑا چڑا کر جی رہے تھے۔

O

عمران اور داور مختلف کر دیں گے۔ دوستہ پھر رہے تھے عمران کہہ رہا تھا۔ ”وہ پاک معلوم ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کہ سلسے میں دھمکی دی ہو۔ کیا کر گذروے؟“

پھر اور صاحب کو بھی اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ عمران کی اس ہوشمندانہ بات پر دھیان دے سکتے۔ فلاٹ ایک زور دار گھر کھڑا تھا سالی تک ابود عمران نے اور صاحب کا ہاتھ بکھڑا کر جیزی سے اپنی طرف کھینچا اور دیوار کی جگہ کی طرف کھینچا چلا گیا۔

چھت سے مٹی کا ایک بوسا تودہ گرا۔۔۔ اندر ہیرا۔۔۔ گہر اندر ہیرا۔۔۔ دم کھٹ رہا تھا۔۔۔ اور صاحب نیچے تھے اور عمران ان پر اس طرح چھلنا ہوا تھا کہ تمی الامکان انہیں بھاگنے کے ذمہ دوں مٹی آس پھنس کر بھی تھی لیکن وہ ابھی اس قابل تھے کہ پسہ اور ناک پر روپال کا کر کسی نہ کسی طرح سانس تو نہیں ملتے تھے۔

خدا بے انتہی تھے کہ عمران کو دیوار کی جگہ کی سوجھ گئی تھی۔۔۔ ورنہ شاید،،،!

”ڈاکٹر صاحب!“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہاں۔۔۔ میں زندہ ہوں۔۔۔“

”میری یادداشت و ایس آگئی ہے اس حادثہ کی وجہ سے۔۔۔ سلاماً ہم۔۔۔“

”وو۔۔۔ وو۔۔۔ والیم۔۔۔ او گھرے۔۔۔ بے ہوشی سے تم اس وقت بھی سمجھو۔۔۔ نہیں ہوا یہ کیا

ہو رہا ہے؟“

”تاک لور میں پر اکھر اور روپال جگڑے رہنے والے دن قدم گھٹ جائے گا۔۔۔!“

”یو ٹھی ہوں۔۔۔ مرے خدااب کیا ہو گا؟“

”میرا خیل ہے کہ۔۔۔ میں نے ابھی آسمان کی جملیں دیکھی تھیں۔۔۔“

”خدا اگرے۔۔۔ کی ہوا“ دلور صاحب نے کہا اور کھانے لے گئے۔

”روپال۔۔۔ روپال۔۔۔“ عمران غریب۔

O

پھر پھٹ رہی تھی اور دو پھر دوں کے ذمہ پر جیسے تھو تھو۔۔۔ لہجے تجوہ کر رہے تھے دلور صاحب کو بڑی ذریتے اور بکایاں آرہی تھیں اور وہ بھوت قیمتی گئے تھے۔۔۔ شاید جانور بھی ان کی شکلیں دیکھ کر وہ حشرت زدہ ہو جاتے۔

”یہ شاید کوئی بہت بڑا پتھر نہ لٹلا تھا۔۔۔“ عمران نے کہا۔۔۔ جسے انکر سے کھو کھلا کر کے وہ سب کچھ بھیجا گیا۔۔۔ یا ممکن ہے قدرتی طور پر کھو کھلا رہا ہو۔۔۔“

”تھا تو... اب تم پاگل نہیں ہو؟“

”پیدا نئی ہوں۔ کوئی نئی بات نہیں۔“ عمران نے لاپرواٹ سے کہا۔ ”لیکن ابھی کھلی ختم نہیں ہوں۔ میں پاگل ہی رہوں گا اور آپ مردہ تصور کیے جائیں کے گر قصہ کیا تھا؟“

”میں نے ایک بے آواز مصنوعی سیارہ دریافت کیا تھا۔ اس کی تصویریں لی تھیں۔ نہار معلوم کیا تھا۔ پورے ملک میں وہ سیارہ میری ہی آبزروری سے دیکھا جا سکتا۔ کہن، اور کوئی ایسی طاقتور دوڑ بین موجود نہیں۔ جس چور ملک نے بے آواز سیارہ چھوڑا ہے اس کے ایجنٹوں کو غالباً شہر ہو گیا تھا کہ میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ شاید وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں چاند کے کوئے کی فناہک تصویریں لینے میں بھی کامیاب ہو چکا ہوں۔ پھر میں نے اس سیارے کی تصویریں کیوں نہ لی ہوں گی جو زمین ہی کے گرد گردش کر رہا تھا۔“

”تصویریں کہاں ہیں اور آپ کا وہ ٹیلیسکوپ کیروہ کہاں ہے؟“ عمران نے مختبر بانہ انداز

میں پوچھا۔

”بھی تو وہ لوگ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اگر معلوم کر لایا ہوتا تو... شاید میں تمہیں زندہ نہ ملت۔ تمہیں وہ لوگ غالباً اسی لیے یہاں لائے تھے کہ میں تم ہی سے کچھ بتا دوں اور وہ چھپ کر سننے میں کامیاب ہو جائیں.... گر تم بہت عقل مند ہو بیٹھیں... اف فوہ کیا حشر ہوتا ہمارا اگر تم مجھے دیکھ کر کمل گئے ہوتے۔ اعتراض کر لیتے کہ تم پاگل نہیں ہو۔“

”میں اب بھی پاگل ہوں۔“ عمران پتھر اٹھانے کے لیے جھکا لیکن پھر یہ بیک سنجیدہ نظر آئے لگ۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”آپ نے مٹری اٹھی جس گواہلاع کیوں نہیں دی تھی۔ اگر وہ لوگ پہلے ہی سے چیزیں چھوڑ کرتے رہے تھے۔“

”میں اس وقت تک سمجھ نہیں سکتا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ آخری واضح دلخک وقت لی تھی جب میں نے شی کو فون کیا تھا۔ یہ میرا بالکل جگی فون ہے۔ یہاں تک سے گمرخ کیلی ڈلوائے تھے اس لیے.... اگر اس کے تاریخی اور پر کاٹ دیجے گئے ہوتے.... کیونکہ اس وقت میں نے اس ایک کے علاوہ سارے فون بے کار پائے تھے۔“

”چھاتو اب اٹھئے...“ عمران احتراہ بولا۔ ”میں اب کہیں چھپنے کی غر کرنی چاہئے۔“